اوبی پرواسجن
راحت جبیں

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اوبے پروا سجن

راحت جبیں

کتابی شکل: پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

پاکستانی پوائنٹ کوئی تجارتی ویب سائٹ نہیں ہے یہاں پر موجود تمام ناولز بالکل مفت ہیں۔اس مشن کا مقصد صرف اردو ادب کی خدمت کرنا ہے تاکہ وہ لوگ جو وطن سے دور ہیں اور اردو کتب حاصل نہیں کر سکتے، وہ یہاں سے ڈائونلوڈ کر لیں۔اگر آپ اردو لکھنا جانتے ہیں تو آپ بھی روز کا ایک صفحہ کمپوز کر کے اس مشن کا حصہ بن سکتے ہیں۔مزید معلومات کے لئے، سُپر موڈز: روشنی، بسمہ، حسیب یا مینجمنٹ وقار سے رابطہ کریں،

شکریہ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اوبے پروا سجن

شاداب سارے لان میں ادھر سے ادھر چکراتے ہوئے رٹے مارنے میں مصروف تھی۔ صبح ہی صبح اسے خاصی ڈانٹ پڑی تھی۔ کہ حسب معمول اس نے ناشتا کیا اور چائے کا کپ ہاتھ میں لے کر ٹی وی کے سامنے براجمان ہو گئی۔ خیال یہی تھا کہ جب چائے ختم ہو گی تب تک دیکھوں گی۔ مگر وہ چائے کا کپ پورا دو گھنٹے پر محیط ہو گیا۔فضہا اور مریم کالج سدھار گئیں۔ ممی بھی اسے پڑھنے کی تلقین کر کے اسکول چلی گئیں۔ جنید بھی آفس چلا گیا۔ مگر یہ چائے کا کپ ختم نہیں ہوا۔

سائرہ جو کہ اس کی تائی ہوتی تھیں، پہلی بار سبزی کی خالی ٹوکری لے کر لاؤنج کے سامنے سے گزریں تو نظر انداز کر گئیں۔ دوسری بار سبزی لے کر واپس آئیں تو گھور کر دیکھا، وہ فاخر کے "سولینے" میں گم تھی۔ خالی کپ ہاتھ میں پاؤں سامنے میز پر ٹکے مسلسل حرکت میں تھے۔ فیوژن شروع ہوا تو آنٹی کی آواز ان سے زیادہ تیز تھی۔ اس نے خالی کپ بوکھلا کر ٹیبل پر پٹخا۔ ننگے پاؤں اوپر کمرے کی طرف بھاگی۔

"کتابیں لے کر دو منٹ میں نیچے آؤ۔"

اور انہیں غصہ آتا تھا تو کسی کی مجال نہیں تھی کہ کچھ کہہ سکے۔ سوا سے کتابوں سمیت یہاں لان میں لا پھینکا تھا

کہ دو گھنٹے مسلسل پڑھو۔اور یہاں سے ہلنے کی کوشش بھی مت کرنا، کمرے میں اس لیے نہیں کہا کہ وہاں نصابی کی بجائے غیر نصابی سرگرمیوں کی زیادہ گنجائش تھی۔ ٹیرس پر ارد گرد کے نظارے زیادہ دلفریب تھے۔اور سائرہ اس کی رگ رگ سے واقف، سو اب وہ کچھ غصے اور کچھ جھنجلاہٹ میں رٹے مار رہی تھی۔

آنٹی سائرہ پہلے لاؤنج میں بیٹھی سبزی بناتی رہیں۔ پھر اسٹور میں گھس گئیں "مریم کی بچی نے بتایا نہیں کہ وہ جنید بھائی کو کیا گفٹ کر رہی ہے۔"

پڑھتے پڑھتے اسے اچانک جنید کا برتھ ڈے یاد آ گیا تھا۔ آنٹی کمرے سے نکلیں تو وہ پھر سے اپنے ٹاپک کی طرف متوجہ ہو گئی۔

سائرہ آنٹی کچن میں گھس گئی تھیں۔

"اسکن کتنی رف ہو گئی ہے۔ میرا خیال ہے آنٹی کے گھریلو سحنے آزما ہی لینے چاہئیں۔"

دو چار صفحے پلٹے، نئے ٹاپک کی چار سرخیاں دیکھیں۔

"مائرہ نے تو بہت پڑھ لیا ہو گا۔ شام کو فون کروں گی۔"

متفکر انداز میں سوچا گیا۔ پھر چند لائنیں اور پڑھیں، ٹاپک مشکل لگا۔

"پہلے آسان سے شروع کرتی ہوں۔" اگلا اور سب سے چھوٹا چیپٹر کھل گیا تھا۔

"رات کو جیکی چن کی مووی آنی ہے۔ اللہ کرے جنید کو کوئی کام پڑ جائے، بارہ بجے سے قبل واپس نہ آئے۔ مگر اسے بھی ہم سے اللہ واسطے کا بیر ہے۔ جس دن کوئی ڈھنگ کی مووی آنی ہو، نو بجے ہی گھر پہنچ جاتا ہے۔"

اگلے چند منٹ نہایت انہماک اور خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھا گیا۔

تب ہی ایک دم بھوک ستانے لگی۔ شاید کچن کی طرف سے اٹھتی خوشبوؤں کا کمال تھا۔ ذرا سی دیر میں وہ کچن کے دروازے پر موجود تھی۔

"کیا بات ہے ابھی دو گھنٹے تو نہیں ہوئے۔

"پانی پینا تھا۔۔۔" نہایت معصومیت سے فرمایا۔

انہوں نے مشکوک نظروں سے گھورا پھر اجازت دے دی۔ فریج سے پانی کی بوتل نکالتے ہوئے اس نے آنٹی کو دیکھا۔ وہ زور و شور سے ایک دیگچی میں چمچہ ہلا رہی تھیں۔ پھر ذرا کی ذرا ہاتھ روک کر ٹماٹر کاٹنے لگیں۔

"آج کھانے میں کیا ہے؟"

"آلو قیمہ اور کھیر۔۔۔"

"کھیر تو جنید بھائی کو بہت پسند ہے۔۔۔ میں کچھ مدد کرواؤں۔"

"کیوں۔۔۔؟" ماتھے پر شکن ابھری۔

"یونہی آپ اکیلی پکا رہی ہیں۔" کچھ ہکلا کر لہجے میں خلوص پیدا کرنے کی کوشش کی۔

"میں روز اکیلی ہی پکاتی ہوں۔"

"ہاں مگر وہ۔۔۔"

"پانی پی لیا ہے تم نے۔۔۔" ان کا ضبط جواب دے گیا۔

"جی ہاں۔"

"ہاتھ میں پکڑی ناشپاتیاں واپس رکھو اور جا کر پڑھو۔ جو سات منٹ یہاں ضائع کیے ہیں ان سمیت۔۔۔"

"اف کتنے آرام سے بے عزتی کر کے رکھ دی ہے۔" عقب سے ہاتھ سامنے لا کر دونوں ناشپاتیاں فریج میں رکھیں اور پاؤں پٹخ کر دوبارہ باہر آ گئی۔

"میں بھی نہیں پڑھ رہی نجانے تعلیم کے معاملے میں آنٹی اتنی خوف ناک بلکہ خونخوار کیوں ہو جاتی ہیں۔ غضب خدا کا میری بھوک پیاس کا بھی کوئی احساس نہیں۔" پھر کتابوں کو گھور کر دیکھا۔ "کس قدر نامعقول کام ہے یہ ماسٹرز کرنا۔ نجانے کس احمق نے مشورہ دیا تھا، اچھی بھلی گریجویشن کر کے بیٹھی تھی۔ آرام سے شادی کر کے عیش کرتی۔

تب ہی یاد آیا کہ یہ کسی دوسرے کا نہیں خاص الخاص اس کا اپنا فیصلہ تھا۔

"خیر اتنا نامعقول کام بھی نہیں۔ بس پڑھنا بہت زیادہ پڑتا ہے۔ لیکن یہ بھی کوئی مسئلہ نہیں، میں اچھی خاصی ذہین ہوں۔ ذہین بھی اور خوبصورت بھی۔"

گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکا کر لان میں کھلے پھولوں کو دیکھنے لگی۔ پھر بے زاری سے سیدھی ہوئی۔

"ایک تو آنٹی بھی آج فارغ نہیں ہو رہیں۔ تھوڑی دیر کو سو جائیں تو میں بھی آرام کر لوں۔" گویا پکا ارادہ تھا کہ پڑھنا بالکل نہیں ہے۔ دھیان کچن ہی کی طرف تھا۔ آنٹی سائرہ کچن سے نکلیں اور اسٹور میں دوبارہ گھس گئیں۔

"اسٹور میں نجانے کون سے پہاڑ کھودنے ہیں۔"

تھک ہار کے اسے کتاب کی طرف متوجہ ہونا ہی پڑا۔ ذرا سی دیر میں وہ پھر سے لان میں چکراتی پوری محویت کے ساتھ پاکستان کے معاشی نظام کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جب عین گیٹ کے پاس پہنچی تو کسی نے

گیٹ دھڑ دھڑایا۔ اس کے ہاتھ سے کتاب چھوٹ گئی۔ نازک سا دل لرز کر رہ گیا۔ ساتھ ہی گیٹ دوسری بار دھڑ دھڑایا گیا۔

"اف۔۔۔" کتاب ہاتھ میں لیتے ہوئے گیٹ پھاڑ نظروں سے گیٹ کو دیکھا۔

آنے والا بھی خاصا بے صبرا تھا۔ وہ تن فن کرتی گیٹ کے نزدیک آئی۔

"کیا مصیبت ہے آپ کو۔ لگتا ہے کبھی دستک دینے کے آداب نہیں سیکھے۔ یہ گیٹ کے ساتھ ایک عدد بیل بھی ہے اور یہ بجانے کے لیے ہوتی ہے۔ اور اصولاً تین بار دستک کے جواب میں اگر کوئی نہیں آ رہا تو آپ کو واپس چلے جانا چاہیئے تھا۔"

"واپس۔۔۔ امریکہ۔۔۔"

"ہیں۔۔۔" وہ ٹھٹکی پھر ڈھٹائی سے گویا ہوئی۔

"بالکل کیونکہ یہی دستک دینے کے آداب ہیں۔" کچھ تجسس میں چھوٹے گیٹ کی کھڑکی کھولی۔

"یہ کس لہجے میں بات کر رہی ہیں۔"

جو چہرہ سامنے آیا تھا۔ اس نے شاداب بی بی کے چہرے کا رنگ اور ہاتھوں کے طوطے اڑا دیے۔

دوسرے پل اس نے کھٹاک سے کھڑکی بند کر دی۔ اندر کی طرف دوڑ لگا دیتی مگر دستک دوبارہ ہوئی تھی۔

"اور اگر آنٹی باہر آ گئیں تو۔۔۔"

"ک۔۔۔ کس سے ملنا ہے؟" آواز میں واضح لرزش تھی۔

"یہ آنٹی نجمہ کا گھر ہے؟" آواز بھاری اور بارعب تھی۔ شاداب کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے۔

"جی ہاں۔۔۔جی نہیں۔"

"جی ہاں یا جی نہیں۔"

"یا اللہ میاں جی! آج بچا لیں۔اس کے بعد میری پکی پکی توبہ۔۔۔میں کبھی گاڑی لے کر نہیں نکلوں گی۔مجھے کیا پتا تھا یہ شکایت لگانے گھر تک چلا آئے گا۔حالانکہ اتنا نقصان بھی نہیں ہوا تھا۔اور میں نے کتنی شرافت سے اس کا نقصان بھی پورا کر دیا تھا۔مگر یہ بندہ شریف نہیں نکلا بلکہ انتہائی خبیث۔۔۔"

"محترمہ! کیا بڑبڑا رہی ہیں۔۔۔"آواز میں اکتاہٹ نمایاں تھی۔"کیا یہ نجمہ آنٹی کا گھر نہیں ہے۔"

"جی نہیں۔۔۔"اس نے جھٹ سے انکار کر دیا۔

دوسری طرف ایک پل کو خاموشی چھا گئی۔پھر اک کارڈ درز میں سے اندر آیا۔

"کیا ایڈریس یہ نہیں ہے؟"

"اف جنید بھائی کا کارڈ۔۔۔اللہ وہ اسے کہاں مل گئے۔"

"یہ آپ۔۔۔بار بار سو کیوں جاتی ہیں۔"

"ایک تو آپ بے صبرے بہت ہیں۔یہی ایڈریس ہے۔"جنید کا کارڈ اس کے ہاتھ میں تھا۔انکار شامت بلانے کے مترادف ہوتا۔

"تو یہ آنٹی نجمہ کا گھر ہوا نا۔"

"نہیں ان کا گھر تو نہیں ہے۔"

"اگر ایڈریس یہی ہے تو آنٹی نجمہ یہاں کیوں نہیں رہتیں۔"

"میں نے کب کہا وہ یہاں نہیں رہتیں۔"وہ گڑبڑا گئی۔ذہن اسے بھگانے کے طریقے سوچ رہا تھا۔

"گویا، یہاں رہتی ہیں۔"

"جی۔۔۔"

"تو ان ہی کا گھر ہوا؟"

"خیر، گھر تو ان کا نہیں ہے۔"

"کیا آپ پاگل ہیں، اندر جا کر بتائیں کہ زریاب مرتضی ہمدانی آیا ہے۔"

"میں خواہ مخواہ۔۔۔"

"ارے زریاب تم۔"جنید کی آواز ابھری۔

"مارے گئے۔شامی بھاگ۔"

وہ بگٹٹ وہاں سے بھاگی۔مگر گھبراہٹ میں پہلی ہی رو میں رکھے بڑے سے گملے کے ساتھ الجھ کر گر پڑی۔

"ہائے۔۔۔"وہیں گھٹنا پکڑ کر ڈھیر ہو گئی۔جنید کے پاس گیٹ کی چابی تو ہوتی ہی تھی۔گیٹ کھلا اور جنید زریاب سمیت اندر تھا۔وہ بھاگنے کا ارادہ ملتوی کر کے ہائے ہائے کرتی گھٹنوں میں چہرہ چھپا گئی۔جنید نے حیرت، غصے اور خجالت کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اسے دیکھا۔

"کیا ہوا۔۔۔؟"

"کچھ نہیں۔"وہ روہانسی ہو کر بولی۔چہرہ اٹھانے کی غلطی نہیں کی، زریاب کا دل چاہا، وہ جنید کو اپنے استقبال کے بارے میں بتائے مگر اس کی حالت دیکھ کر خاموش ہو گیا۔مگر سوالیہ نظروں سے جنید کو دیکھا۔

"شاداب ہے آنٹی نجمہ کی بیٹی۔"اس نے دانت پیس کر تعارف کروایا۔"تم آؤ اندر۔"وہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

"ہونہہ آئے بڑے کہیں سے۔اتنا تو ہو نہیں سکا کہ۔۔۔"وہ غصے میں ایک جھٹکے سے کھڑی ہوئی، پھر اسی جھٹکے سے نیچے بیٹھ گئی۔وہ سر پر کھڑا سرخ آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا۔

"کیا بہت چوٹ لگی ہے۔"الفاظ ہمدردانہ سہی مگر لہجے میں نرمی کا تاثر نہیں تھا۔

"جی ہاں۔۔۔جی نہیں۔"

"جی ہاں۔۔۔یا جی نہیں۔"

"جی ہاں۔۔۔جی نہیں۔۔۔پتا نہیں۔"وہ جھنجلا گئی۔زریاب ہلکا سا قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"اچھا ہے۔۔۔"اک گہری سی نظر اس پر ڈال کر چلا گیا۔

"کیا اچھا ہے۔۔۔ہائے اللہ! کہیں دھمکی تو نہیں دے گیا۔"

"ہیں۔۔۔یہ آپ کو کیا ہوا محترمہ؟"عظیم نے اندر آتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔وہ کالج سے لوٹا تھا۔

"میرے چوٹ لگ گئی ہے۔"لہجہ گلوگیر تھا۔

"یہ تو کوئی نئی بات نہیں۔"

"مجھے سخت رونا آرہا ہے۔"

"یہ بھی نئی بات نہیں۔"

"عظیم پلیز۔۔۔"

"فرمائیے۔"

"ذرا سا سہارا دو۔۔۔"شاداب نے ہاتھ بڑھایا تو وہ اسے سہارا دیتے ہوئے لاؤنج میں لے آیا۔

"تمہیں کیا ہوا شاداب!"سائرہ اسے لنگڑاتے دیکھ کر لپکیں۔

"ام! کم از کم آپ تو یہ سوال مت کیا کریں۔"

"مجھے کمرے تک چھوڑ آؤ۔"وہ جلد از جلد منظر سے غائب ہونا چاہتی تھی۔

"یہاں بیٹھو میں۔۔۔"

"میں آیوڈیکس لگا لوں گی۔"اس نے تیزی سے ان کی بات کاٹی۔عظیم اسے بے حد شرافت سے کمرے تک چھوڑ گیا تھا۔

"کچھ دن تو سکون سے گزریں گے۔"

مگر سکون کہاں رہا تھا۔یہ اتنا بڑا چھ فٹا خطرے کا نشان جو گھر میں داخل ہو گیا تھا۔وہ اپنا گھٹنے کا درد بھول کر ہولتی رہی۔نجانے کس انداز سے بات کرے اور جنید کیا سمجھے، تب ہی فضہ آگئی۔ہولتی کانپتی ادھر سے ادھر کتابیں گراتی دھپ سے اس کے بیڈ پر اوندھے منہ گری تھی۔

"کچھ نہ پوچھو کیا ہوا۔"کچھ نہ پوچھو کی گردان جاری تھی۔

"تو میں کب کچھ پوچھ رہی ہوں۔"

"اف اللہ مر گئی آج تو۔۔۔ہائے میرے پاؤں۔۔۔روتی۔۔۔ہائے۔اوے کوئی پانی پلائے کہیں میری جان نہ نکل جائے۔"

"اللہ کرے نکل جائے۔۔۔"اس نے سائیڈ ٹیبل سے پانی کا پورا جگ اٹھایا اور پورے کا پورا اس پر الٹ دیا۔

اس کی چیخ و پکار آہ و بکاہ کے جواب میں نیچے سے سائرہ نے تند و تیز اور دھواں دھار جواب دیا تھا۔

"یہ گھر ہے یا مچھلی بازار۔"نجانے کس کونے سے جنید کی گرج سنائی دی۔فضہ ساکت ہو کر اسے گھورتی رہی۔بالوں کا خوبصورت ہیر اسٹائل برباد ہو گیا تھا۔

"تم اس وقت دادی کی گنجی ککڑی لگ رہی ہو جو دادی پچھلے سال گاؤں سے لائی تھیں،بے حد آرام و سکون سے مطلع کیا گیا تھا۔اس نے نجانے کس طرح یہ بے عزتی برداشت کی تھی۔بے حد سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"تمہیں پتا ہے میں آج مر گئی تھی۔"

"کس پر؟"

"میں مزید چند منٹ تک نہ آتی تو تمہی اس پوری گلی میں میرے چیتھڑے ملتے،اکٹھے کرتی تو بھی فضہ نہ بنتی۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے۔میں جھاڑو اٹھاتی،سب گند بلا اکٹھا کر کے گلی کے کونے میں رکھے ڈرم میں ڈال آتی۔ خس کم جہاں پاک۔"

"تم بکواس ہی کرتی رہنا،یہ مت پوچھنا کہ ہوا کیا۔میں نجانے کس طرح بچ کر گھر تک پہنچی ہوں۔"

"کیا ہوا؟"

"ہونا کیا تھا،آج وہ میرے پیچھے آ گیا تھا۔"

"ک۔۔۔کون۔؟"

"وہی جو نفیس صاحب کے گیٹ پر کھڑا ہوتا تھا۔"

شابی کے ذہن کے قلابازیاں کھائیں۔نفیس صاحب کا ایک ہی بیٹا تھا دماغی طور پر ذرا سا معذور۔۔۔

"لمبا چوڑا،سفید رنگ،ماتھے پر سیاہ داغ،یہ بڑی بڑی آنکھیں اور دانت۔۔۔"اس نے جھرجھری لی۔

"یہ حلیہ نفیس صاحب کے بیٹے کا تو نہیں۔۔۔درمیانہ قد،سانولی رنگت،چھوٹی سی آنکھیں،نہیں وہ نہیں۔۔ ۔کوئی مہمان آ گیا ہو گا۔"

"مگر تمہیں کہاں مل گیا؟"

"بتایا تو ہے کہ روز وہیں کھڑا اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے گھورتا رہتا تھا۔کالج سے واپسی پر گزرنا مشکل ہو گیا تھا۔کب تک برداشت کرتی۔"وہ روہانسی ہو گئی۔

شابی ہکا بکا رہ گئی پھر برس پڑی۔بے بھاؤ کی سنائیں آخر برداشت کیوں کرتی رہی۔بتایا کیوں نہیں۔ایسی کی تیسی کر دیتے،اٹھا کر بلاک سے ہی باہر پھینک دیتے۔جنید کو پتا چلتا تو سرمہ بنا کر رکھ دیتا۔وغیرہ وغیرہ۔

"میں نے سوچا خود ہی کہیں دفعان ہو جائے گا۔لیکن آج تو میری برداشت ہی جواب دے گئی۔بس

سڑک کے کنارے پتھر اٹھایا اور دے مارا ماتھے پر"

"زبردست۔۔۔"

"پھر کیا ہوا اس کے تیور بدل گئے۔۔۔خونخوار نظروں سے مجھے گھورا اور۔۔۔"

"اور۔۔۔"شابی کی سانس بند ہونے لگی۔

"وہ میرے پیچھے بھاگا،میں نے بھی دوڑ لگا دی۔اف۔۔۔تپتی سڑک،جلتا سورج اور میں تنہا اکیلی لڑکی۔۔۔"

"میرا دل۔۔۔"شابی کا ہاتھ سینے پر چلا گیا۔سانس بند آنکھیں پھٹی ہوئی رنگ بالکل فق۔

"میں بھاگتی رہی۔۔۔بھاگتی رہی۔۔۔وہ بھی بھاگتا رہا۔کوئی گیٹ بھی نہیں کھلا تھا کہ میں اندر گھس جاتی۔اور پھر۔۔۔

"اور پھر۔۔۔" پھنسی پھنسی آواز عجیب و غریب سی تھی۔

"پھر میرا دوپٹہ۔۔" شابی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

دروازہ دھاڑ سے کھلا، عظیم سرخ چہرے کے ساتھ اندر تھا، ہونٹ بھنچے ہوئے آنکھوں سے گویا لہو ٹپک رہا تھا۔

"کون تھا وہ؟" سنگین لہجے میں ڈپٹ کر پوچھا۔

وہ ہکا بکا اسے دیکھتی رہی۔

"کون تھا وہ۔۔۔"

ک۔۔۔کون۔۔۔" وہ ہکلا گئی۔

"میں پوچھتا ہوں کون تھا وہ۔۔۔کس کی اتنی جرات ہوئی کہ ہمارے محلے میں ہماری بہن کے ساتھ۔۔۔میں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔بتاؤ کون تھا وہ۔ جس نے تمہارا دوپٹہ۔۔۔" وہ دھاڑ رہا تھا۔

"ک۔۔۔کتا۔۔۔"

"کون۔۔۔؟"

"نفیس صاحب کا نیا کتا۔ہر روز گیٹ سے تھوتھنی نکالے بھونکا کرتا تھا۔آج تو پیچھے ہی پڑ گیا تھا حالانکہ میں نے تو صرف پتھر، مگر تم اسے بالکل مت چھوڑنا، بے شک ٹکڑے ٹکڑے کر دینا کیونکہ اس نے میرا نیا کالج کا

دوپٹہ۔۔۔"

"شٹ اپ۔۔۔" بات سمجھ میں آتے ہی وہ حلق کے بل چیخا تھا۔

"تم۔۔۔تم۔۔۔" وہ ارد گرد نجانے کیا ڈھونڈ رہا تھا۔وہ ڈر کر شابی کے پیچھے جا چھپی۔

"اللہ کی قسم! میں تو کتے کی ہی بات کر رہی تھی۔تم نجانے کیا سمجھ رہے تھے؟" شابی ہنسنے لگی۔

"بھاڑ میں جاؤ۔" عظیم تن فن کرتا باہر نکل گیا۔

"کیا ہو گیا بیٹا! یہ پنجابی فلم کے ڈائیلاگ اردو میں کیوں بول رہے تھے۔" سائرہ بے حد تفکر سے اس سے پوچھ رہی تھیں۔وہ پاؤں پٹختا باہر نکل گیا۔کچھ سکون ہوا تو شابی کو اپنا گھٹنے کا درد اور اس سے وابستہ ہستی یاد آ گئی۔

"فضہ!" اس کا لہجہ دہلا دینے والا تھا۔

"جب تم اس طرح بولتی ہو تو لگتا ہے یا تو تمہارا ہارٹ فیل ہونے والا ہے یا میرا۔"

"وہ۔۔۔وہ آیا ہے۔"

فضہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا پھر دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

"پہلے بتاؤ وہ کون آیا ہے ورنہ ابھی عظیم آ جائے گا۔"

"وہی جس کی گاڑی کے ساتھ اپنی گاڑی ٹکرائی تھی۔اور اکیلا ہی نہیں مرتضی اور ہمدانی بھی اس کے ساتھ ہیں۔" پرسوں ڈرائیونگ کے شوق میں وہ جنید کی گاڑی لے کر نکلی تھیں۔

"وہ کون ہیں؟"

"مجھے کیا معلوم۔"

"ارے اتنی ہمت کہ منہ اٹھا کر ہمارے گھر پہنچ گئے۔" اسے تاؤ آ گیا۔

"اس دن تو بچت ہو گئی تھی۔ جنید شہر سے باہر تھا۔ آرام سے گاڑی کی مرمت بھی ہو گئی مگر یہ لوگ نجانے کیا کہہ دیں۔۔۔ جنید کے غصہ کا تو پتا ہے نا۔۔۔"

سائرہ آواز دے رہی تھیں۔ مریم کی آواز بھی آ رہی تھی۔ گویا ابھی آفس سے واپس آئی تھی۔

"دیکھو ہم صاف مکر جائیں گے۔ اس کے پاس کوئی

ثبوت تو ہے نہیں۔۔۔ کہ ایکسیڈنٹ ہماری گاڑی کے ساتھ ہوا تھا۔"

فضہ نے کہا تو بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔

"تمہارے لیے کھانا یہیں لے آؤں، اگر گھٹنے میں زیادہ درد ہے تو۔۔۔" فضہ شرارت سے مسکرائی۔

"جی نہیں، چل رہی ہوں میں۔"

مگر سیڑھیوں کے درمیان میں ہی قدموں میں زنجیر پڑ گئی۔ حیرت سے آنکھیں کھل گئیں، گھٹنے کا درد کچھ زیادہ شدت اختیار کر گیا تھا۔ وہ ڈائننگ ٹیبل پر بڑی شان سے موجود تھا اور نجمہ سے بڑی اپنائیت سے بات چیت جاری تھی، کھانا لگ چکا تھا۔ اور سائرہ آنٹی وقفے وقفے سے ایک ایک کو پکار رہی تھیں، وہ دونوں دبے قدموں واپس مڑنے لگیں۔ تب ہی ان کی نظر اوپر اٹھی دوسرے پل نجمہ نے بھی انہیں پکار لیا تھا۔ مرے مرے قدموں سے وہ ٹیبل کی طرف چلی آئیں۔

"یہ شاداب ہے میری بیٹی اور یہ فضہ۔۔۔ مریم کی بہن اور بیٹا یہ تمہاری نائلہ خالہ کے بیٹے زریاب ہیں۔"

"جی۔۔۔" وہ دونوں چیخ اٹھیں۔

"میں مل چکا ہوں۔" کہنی کرسی کی پشت پر ٹکاتے ہوئے اس کی گہری سنجیدہ نگاہیں براہ راست شابی پر جمی تھیں۔

"کب؟" نجمہ نے حیرت سے سوال کیا تھا۔

"ابھی پرسوں۔۔۔"

"السلام علیکم۔۔۔ زریاب بھائی۔" دونوں یک زبان ہو کر بولی تھیں۔

"وعلیکم السلام" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا اور پھر سے نجمہ کی طرف متوجہ ہوا۔

"دراصل پرسوں مجھے۔۔۔"

"نائلہ خالہ کیسی ہیں؟" شابی نے فوراً دخل دیا۔

"ٹھیک تھیں۔" مختصر جواب اور روئے سخن پھر سے نجمہ کی طرف۔

"سپر مارکیٹ میں۔"

"انہیں ساتھ لے آتے۔"

زریاب نے رخ موڑا اور سنجیدہ نگاہیں اس کے چہرے پر جما دیں۔ وہ گڑبڑا کر خالی پلیٹ کو گھورنے لگی۔

زریاب نے باقی بات اسی طرح پوری کی۔ وہ صرف یہ بتانا چاہتا تھا کہ وہ یہاں کا ایڈریس بھول گیا تھا اس لیے ہوٹل میں ٹھہر گیا تھا۔ پرسوں سپر مارکیٹ میں اسے جنید کا دوست نعمان ملا تھا، اسی نے انہیں جنید کا نیا ایڈریس دیا تھا۔ نعمان ایک دو بار امریکہ گیا تو نجمہ نے اس کے ہاتھ کچھ چیزیں نائلہ خالہ کے لیے بھجوائی تھیں۔

اپنی بات مکمل کر کے وہ اندر آتی مریم کو دیکھنے لگا۔ جو پانی کا جگ لیے آ رہی تھی۔ شابی نے میز کے نیچے سے فضہ اک ہاتھ دبایا۔

"ڈر گئے مجھ سے۔۔۔" فضہ نے سرگوشی کی۔

"آپ لوگ یہاں کب شفٹ ہوئے تھے؟" زریاب پوچھ رہا تھا۔

"تمہارے انکل کی ڈیتھ کے بعد پانچ سال میں نے اسی گھر میں گزارے تھے مگر اب مشکل لگنے لگا۔ بھائی صاحب اگرچہ شارجہ میں ہیں مگر جنید ہے، عظیم ہے اس لیے ہم نے فیصلہ کیا کہ اکٹھے ہی رہا جائے۔" نجمہ نے بتایا۔

"اور رباب خوش تو ہے اپنے گھر میں۔"

"اللہ کا شکر ہے بہت خوش ہے۔"

باتوں کا رخ بدل گیا تھا۔ شابی بھی اطمینان سے کھانے کی طرف متوجہ ہو گئی۔ جب کہ فضہ اس کے کان میں پوچھ رہی تھی۔

"وہ باقی دونوں کہاں ہیں۔"

"کون۔۔۔؟"

"مرتضی اور ہمدانی۔"

شابی مسکراہٹ دباتے ہوئے پوری کی پوری پلیٹ پر جھک گئی تھی۔

****

26 اگست 2002ء

گاؤں کی خشک شامیں بہت سنسان اور اداس

ہوتی ہیں اور مجھے یوں لگتا ہے گاؤں کی گلیوں پہ چھایا یہ خاموش غبار مجھے کھینچ رہا ہے۔ اپنے اندر جذب کر رہا ہے۔ زبیر جب یہاں ہوتے ہیں تو مجھے یہ اداسی، یہ خاموشی بہت اچھی لگتی ہے اور جب وہ چلے جاتے ہیں تو بہت ویران۔

"میرا دل چاہتا ہے، اس شام کو بہت قریب سے دیکھوں، بہت پاس سے چھو کر محسوس کروں۔" نجانے کس لمحے، میں نے زبیر سے یہ کہہ دیا تھا۔ وہ میرا ہاتھ تھام کر اوپر لے گئے۔

"اب دیکھو۔"

میں نے دیکھا چھٹی چھوٹی دیواروں کے اس پار کچے پکے مکان، آموں اور سنگترے کے باغوں کے سلسلے، دور تک پھیلے کھیتوں کے پار غروب ہوتا سورج۔۔۔ جس کی زرد نارنجی روشنی کا غبار سارے گاؤں کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔ میں غروب ہوتے سورج کو دیکھ رہی تھی اور زبیر مجھ کو۔۔۔

"یہاں نہیں وہاں، جہاں اس کے اور میرے بیچ کوئی نہ ہو۔ نہ درخت، نہ کھیت، نہ مکان، نہ دیواریں۔" شاید میں ان کی نگاہوں کی تپش سے گھبرا کر بول اٹھی تھی۔ وہ ذرا سا جھکے اور ان کی گرم سانسیں میرے گال سے ٹکرانے لگیں۔

"سورج طلوع ہوتا ہو یا غروب ہوتا ہو ایک سا جلاتا ہے۔ زیادہ قریب جانے کی خواہش مت کرو، پگھلا کر رکھ دے گا۔"

ان کی آواز سرگوشی سے زیادہ نہ تھی۔ میرا چہرہ دہکنے لگا آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں ان کی گرفت میرے کندھے پر مضبوط ہوئی۔

"چلو، وہاں چلتے ہی جہاں کوئی نہ ہو۔ نہ کھیت، نہ باغ نہ یہ دیواریں اور نہ میرا رقیب یہ غروب ہوتا سورج۔۔"

اس سے آگے ڈائری کا صفحہ ادھورا اور خالی تھا۔ یوں لگتا تھا، وہ کسی خاص لمحے کی زد میں آ کر ان ہی اوراق کو اوڑھ کر سو گئی۔

****

چند دنوں میں انہیں اطمینان ہو گیا۔ زریاب ناشتہ کر کے گھر سے نکلتا تو پھر شام ڈھلے ہی گھر لوٹتا تھا۔ وہ گھر کا نقشہ بنوا رہا تھا۔ خالہ، خالو کا ارادہ اب مستقل پاکستان شفٹ ہونے کا تھا، اسی لیے زریاب پہلے ہی یہاں آ گیا تھا۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ آنٹی نے انہیں یہاں لڑکی پسند کرنے کو بھیجا ہو۔" فضہ نے ناک پر عینک جما کر اشتیاق سے پوچھا۔ "آخر لڑکیوں والا گھر ہے۔"

"لڑکیاں نہ ہوئیں ڈیکوریشن پیس ہو گئیں۔ جو پسند آیا اٹھا کر اپنے گھر میں سجا لے گا۔ مجھے تو اس دوڑ سے دور ہی رکھو۔" مریم نے انگور کھاتے ہوئے بے نیازی سے کہا۔ اس نے بی ایس سی کے بعد کمپیوٹر سینٹر جوائن کر لیا تھا۔

"نہیں کرنا تو خیر مجھے سائیکالوجی میں پی ایچ ڈی ہے اس لیے شادی کا دور دور تک ارادہ نہیں۔ باقی تو بس یہ

شابی بچتی ہے۔"

اس نے شابی کو دیکھا مگر وہ پوری طرح فلم میں منہمک تھی۔ کیبل کا تار جنید کے کمرے میں تھا اور کبھی کبھار اچھی صاف ستھری مووی آ رہی ہوتی تو وہ خود ہی انہیں بلا لیتا اور خود اپنے کسی کام سے نکل جاتا، مگر بقول شابی، اب اس عمر میں کم از کم یہ فیصلہ تو ہمیں خود ہی کرنا چاہیئے کہ کون سی فلم اچھی ہے اور کون سی بری۔ کون سی مووی دیکھنی ہے اور کون سی چھوڑنی ہے۔" اس لیے جب بھی فضہ کالج اور مریم کمپیوٹر سینٹر سے واپس آ کر کھانا کھانے کے بعد فارغ ہوتیں اور امیاں قیلولہ فرماتی تھیں۔ شابی تو خیر گھر میں ہی رہتی تھی کہ پرائیویٹ ایم اے کر رہی تھی۔

تو تینوں جنید کے کمرے میں گھس جاتیں، اطمینان سے فلم دیکھی جاتی، ادھر گیٹ پر بیل سنائی دی ادھر تینوں اپنے کمرے میں۔ اس کوشش میں کبھی فلم کا پہلا حصہ دیکھا جاتا تو کبھی آخری، مگر فلم کبھی نہ کبھی تو پوری ہو ہی جاتی تھی۔ تایا ابو شارجہ میں ملازمت کرتے تھے، سال دو سال بعد ہی چکر لگاتے تھے۔ جنید ان کا بڑا بیٹا تھا۔ حال ہی میں اس کی جاب ہوئی تھی۔

اب تو تایا بھی سوچنے لگے تھے کہ مستقل واپس آ جائیں۔ جنید کے بعد مریم اور فضہ تھیں پھر عظیم۔ سب سے چھوٹا ہونے کی بنا پر کسی گنتی میں نہ آتا تھا۔ جبکہ جنید کو ہمیشہ بڑے بیٹے کی بنا پر خاصی توجہ اور اہمیت ملی تھی۔ سو اس کے مزاج میں تحکمانہ اور بڑا پن کچھ زیادہ ہی تھا۔

گیٹ پر بیل ہوئی۔ کمرے میں ہڑبڑ مچ گئی۔ فضہ سب سے پہلے کمرے سے بھاگی تھی۔ شابی نے اپنے جوتے اٹھائے، مریم نے سب کچھ آف کیا اور بھاگتی ہوئی لان میں آ بیٹھیں مگر آنے والا عظیم تھا، کالج سے آیا تھا۔

مریم اسے کھانا دینے اٹھ گئی۔ واپس آئی تو انگوروں سے بھری ٹوکری ساتھ تھی۔

"عیش کرو، آئس کریم بھی ہے ذرا ٹھہر کر کھائیں گے۔"

"آج تمہیں پے ملی ہو گی۔"

"بالکل"

دانہ دانہ انگور ٹونگتے ہوئے وہ ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں۔ تب ہی ہارن کی آواز پر چوکیدار نے گیٹ کھولا تھا اور آنے والی ہستی کو دیکھ کر وہ تینوں متحیر رہ گئی تھیں۔ سفید پینٹ انگوری شرٹ اور گلے میں اسکارف، اپنے گھنگریالے بالوں کو اونچی سی پونی میں قید کیے وہ بڑی سی گاڑی سے نکلی تھی۔

"ہائے!" کندھے پر بیگ اور دوسرے ہاتھ میں موبائل لے کر گاڑی کا دروازہ بند کر کے وہ وہیں سے پکاری تھی۔

"یہ رومیہ بی بی کو آج ہماری یاد کیسے آ گئی۔"

رومیہ، نجمہ کی کزن کی بیٹی تھی بلکہ اکلوتی لاڈلی اور نک چڑھی بیٹی۔ دولت کی فراوانی تھی، سو ناز و نعم میں پلی۔ نخرہ بلا کا تھا، خاندان کی لڑکیوں میں اس کے متعلق کبھی بھی اچھی رائے نہیں پائی گئی۔ کچھ اس کی بے تحاشا دولت اور خوبصورتی سے حسد کرتی تھیں تو کچھ اس کی آزاد روی سے خائف تھیں۔ کچھ مریم، فضہ اور شابی جیسی تھیں جنہیں اس کا نخرہ اور غرور برا لگتا تھا۔

البتہ خاندان کے لڑکوں سے اس کی ہائے ہیلو ضرور ہو جاتی تھی اور کبھی نہ کبھی کسی کو دوستی کا شرف بھی بخش دیا جاتا تھا، مگر اس کی یہاں موجودگی۔۔۔

"ہائے۔۔۔ میں یہاں سے گزر رہی تھی، سوچا تم سے ملتی جاؤں۔"

"مقام حیرت۔۔۔" مریم بڑبڑائی پھر اسے بیٹھنے کو کہا۔

وہ کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ جما کر بیٹھ تو گئی مگر فوراً ہی اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے جھلملانے لگے۔

"تم لوگ اتنی گرمی میں کیوں بیٹھی ہو۔"

"گرمی تو نہیں، اچھی بھلی ہوا چل رہی ہے۔" شابی نے آرام سے کہا اور انگور کھانے لگی۔ اسے بھی دعوت دی مگر اس نے انکار کر دیا۔ مریم اس کے لیے کولڈ ڈرنک لے آئی۔

"شاید اے سی سے نکل کر زیادہ فیل ہو رہا ہے۔ ڈرائنگ روم میں چلیں۔"

"نہیں، میں بس کچھ وقت ہی ٹھہروں گی" وہ کولڈ ڈرنک کے سپ لینے لگی۔

"رومیہ آپی! آپ نے گاڑی بدل لی ہے۔" فضہ نے اس کی شاندار گاڑی کو للچائی نظروں سے دیکھا۔

"اب تو پرانی ہو گئی ہے۔ پاپا نے میڈیکل میں ایڈمیشن کی خوشی میں لے کر دی تھی۔" وہ لاپروائی سے گویا ہوئی "آنٹی لوگ کہاں ہیں؟"

"آنٹی لوگ اس وقت قیلولہ فرماتی ہیں۔" شابی نے جواب دیا۔

"کیا کرتی ہیں؟" اس نے اچھنبے سے پوچھا۔

آرام۔۔۔ آرام کرتی ہیں اس وقت۔"

"آئی سی، زریاب کب تک واپس آ جاتے ہیں۔"

لہجہ سرسری سا تھا۔ وہ تینوں چونکیں پھر ایک دوسرے کو دیکھ کر مبہم سا مسکرائیں۔ تو یہ وجہ تھی رومیہ کی

موجودگی کی۔

"کوئی ٹائم فکس نہیں ہے، کسی بھی وقت آ سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے دیر سے آئیں۔" جواب مریم نے دیا تھا۔

"آپ کو کیسے پتا چلا، زریاب بھائی آئے ہوئے ہیں۔" فضہ سے رہا نہیں گیا۔

"پرسوں آئے تھے نا ہماری طرف۔" اس نے بتایا۔ "تم لوگوں کے ساتھ گپ شپ رہتی ہو گی زریاب کی"

"ارے نہیں"

"ہاں تم لوگوں کا ماحول بھی تو خاصا دقیانوسی سا ہے۔" وہ گلاس رکھ کر کھڑی ہو گئی۔ سب ہی کو اس کی یہ بات بری لگی تھی۔ شابی کوئی کرارا سا جواب دینا چاہ رہی تھی مگر مریم متانت سے بول اٹھی۔

"یہ بات نہیں ہے لیکن ہم لوگ ایک حد میں رہنے کے قائل ہیں۔"

"وہی نا، میں چلتی ہوں، زریاب آئے تو اسے میرے بارے میں بتا دینا۔"

"کیا چیز ہے یہ؟" اس کے جانے کے بعد شابی نے پوچھا۔

"جو بھی ہے مگر اس کی گاڑی بہت شاندار تھی۔ اور وہ بھی ذاتی۔" فضہ نے اس کی لمبی گاڑی کو تب تک دیکھا تھا جب تک گیٹ سے غائب نہ ہو گئی تھی۔

"ہم نے تو جیسے کبھی گاڑی دیکھی ہی نہیں۔" شابی کو برا لگا۔

"گاڑی جنید بھائی کی ہے ان سے چوری چھپے ڈرائیو کر لینے سے اپنی نہیں ہو جائے گی۔"

"تم فکر نہیں کرو، کبھی میرے پاس اپنی گاڑی بھی ہو گی۔"

"یہ تو اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ تم جنید بھائی سے شادی کر لو" فضہ نے مشورہ دیا۔ "وہ تمہیں فوراً گاڑی لے دیں گے۔"

"وہ مجھے چلتی گاڑی کے نیچے دے دیں گے اور مجھے کوئی شوق نہیں ساری عمر تمہارے بھائی کے ماتھے کے بل گنتی رہوں۔"

"بچو! اگر جنید بھائی نے اشارہ بھی کر دیا تو سب کے ووٹ ان ہی کی طرف ہوں گے کچھ بھی نہیں کر سکو گی تم۔"

"فکر نہیں کرو ان کی نظر میں میں خاصی بے وقوف لڑکی ہوں۔ ظاہر ہے وہ بے وقوف سی لڑکی سے شادی تو ہرگز نہیں کریں گے۔" اس نے اطمینان سے ہاتھ جھاڑے۔ یہ واحد معاملہ تھا جس میں وہ خود کو بے وقوف بلکہ احمق تک ثابت کرنے پر آمادہ ہو جاتی تھی۔

"اور اگر امی نے انہیں اموشنلی بلیک میل کر لیا تو۔۔۔"

"تو۔۔۔ تو میں سچ مچ کسی چلتی گاڑی کے نیچے آ جاؤں گی مگر تمہارے بھائی سے شادی ہرگز نہیں کروں گی۔"

"افوہ! کتنا نخرہ ہے محترمہ میں۔ جنید بھائی کوئی تم سے شادی کو مرے نہیں جا رہے، بہت لڑکیاں ہیں ہمارے بھائی کے لیے۔"

"تو بیاہ دو انہیں سے، میرے پیچھے کیوں پڑ جاتی ہو۔" شابی نے مکھی اڑائی۔

"وہ تو مجھے ہی تم جیسی پھینی ناک اور پھیکے شلجم جیسی لڑکی کو بھابھی بنانے کا شوق چرایا تھا۔"

"کیا۔۔۔ اور تم کیا ہو۔۔۔؟"

مریم نے سر پکڑ لیا۔ وہ شروع سے جانتی تھی دونوں کی بحث یہی رخ اختیار کرے گی۔ رات کو کھانے پر اچانک شابی کو یاد آیا۔

"زریاب بھائی! آج رومیہ آئی تھی۔"

"تو پھر۔۔۔؟" اپنی پلیٹ میں چاول نکالتے نکالتے زریاب نے رک کر قدرے حیرت سے پوچھا تھا، بلکہ سب ہی نے حیرت سے دیکھا تھا کہ آخر یہ اطلاع صرف اسی کو کیوں دی گئی تھی۔

"نہیں۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ وہ آج آپ سے ملنے آئی تھی۔ تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد چلی گئی۔"

سب کے ایک دم متوجہ ہونے پر وہ گڑبڑا سی گئی تھی۔

"تم احسن بھائی کی طرف گئے تھے بیٹا!" سائرہ نے پوچھا۔

"جی پرسوں گیا تھا۔"

"بہت اچھا کیا۔" سائرہ اور نجمہ کی نگاہیں آپس میں ٹکرائیں جبکہ وہ اس اطلاع کو بغیر کوئی اہمیت دیے دوبارہ کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

****

15 ستمبر 2002

زبیر چلے جاتے ہیں تو میرے پاس سوائے خود کو گھر کے کاموں میں مصروف کر لینے کے اور کوئی مصروفیت نہیں ہوتی اور کاموں کی یہاں کمی نہیں۔ کپاس کی چنائی کا موسم ہے، چھت کپاس کی چھڑیوں سے بھر گئی ہے اور صحن کپاس کے سوکھے ٹینڈوں سے۔ جن سے کپاس کی بچی کھچی پھٹیاں چننے کے لیے مزارعین اور کمی

عورتوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ کپاس چن چن کر ڈھیریاں بناتی جاتی ہیں اور شام ڈھلے اجرت لے کر چلی جاتی ہیں۔ ان میں ہر قسم کی عورتیں ہوتی ہیں، بوڑھی، جوان، ادھیڑ عمر اور کم سن بچیاں، وہ عورتیں بھی جن کے سینے سے چمٹے بچے اپنے حصے کا رزق وصولتے رہتے ہیں اور وہ چپڑ چپڑ باتیں کرتی جاتی ہیں۔

رضیہ کا بچہ تو بہت ہی پیارا ہے گلابی گلابی گپلو سا۔۔۔ میرا دل چاہتا ہے میرا بچہ بھی ایسا ہی ہو۔۔۔ خواہ بیٹی ہو یا بیٹا۔۔۔ حالانکہ میری کتنی خواہش ہے کہ وہ بیٹی ہو۔ بیٹیاں ماؤں کا دکھ بانٹ لیتی ہیں نا۔ حالانکہ سب چاہتے ہیں کہ پہلی اولاد بیٹا ہو۔ خیر زبیر نے مجھ سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ وہ کہتے ہیں جو بھی ہو بس تمہارے جیسا ہو۔"

اس سے آگے قلم ذرا دیر کو رک سا گیا تھا، نجانے وہ کس خیال میں کھوئی تھی۔

"میں یہاں ڈائری روزانہ نہیں لکھ پاتی ہوں۔ کبھی کبھی کام بہت زیادہ ہوتا ہے، میں تھک کر بستر پر لیٹتی ہوں تب بھی نیند نہیں آتی پھر گھر والے یاد آتے ہیں۔ تو نیند بالکل ہی اڑ جاتی ہے۔ پھر نجانے کب آنکھ لگتی ہے۔ حالانکہ مجھے صبح پہلی اذان کے ساتھ اٹھنا ہوتا ہے۔ مدھانی ڈالنی ہوتی ہے۔ (صد شکر ممی نے جہیز میں بجلی کی مدھانی دے دی تھی) آٹا گوندھتی ہوں۔ تب تک دودھ کی بالٹیاں آ جاتی ہیں۔ اسے ابلنے اور کاڑھنے کے لیے رکھتی ہوں پھر توے پر روٹیاں پکاتی ہوں، شروع شروع میں سب گڑبڑ ہو جاتا تھا۔ کبھی توے میں بالن لگانا بھول جاتی ہوں تو کبھی روٹیاں پلٹنا۔ اتنے بڑے توے پر بس ایک ہی روٹی ڈالا کرتی تھی لیکن اب یکے بعد دیگرے چار روٹیاں ڈال بھی لیتی ہوں اور سینک بھی لیتی ہوں۔ اور یوں بیس پچیس روٹیاں آسانی سے بنا لیتی ہوں۔

شروع شروع میں تو رونا ہی آجاتا تھا، کمر الگ اکڑ جاتی، گھر میں افراد تو ہم دو ہی ہیں مگر زمینوں پر چھ نوکر ہیں، کھانا تینوں وقت گھر سے جانا ہوتا ہے، بہت سوچتی تھی، پھپھو ہاتھ بٹا دیں تو یہ کام کتنا آسان ہو جائے۔ ایک بار ڈرتے ڈرتے کہا بھی۔ پھپھو نے گھور کر دیکھا۔

"ساری عمر یہ کام اکیلے ہی کیے ہی ہم نے۔"

چلیں چھٹی ہوئی۔ آخر روتے دھوتے ہاتھ جلاتے یہ کام بھی سیکھ ہی لیا۔ پھر صفائی ستھرائی اور واشنگ مشین کے مرحلے سے فارغ ہوں تو پھر سے دوپہر کے کھانے کا وقت، جلتا سورج، تپتی آگ اور میں۔

"مفت کی نوکرانی مل گئی تائی کو۔" رفعت ہنستی۔

"وہ بھی بے زبان قسم کی۔ کبھی تائی نے صحن میں جھاڑو تک نہ دی کمی عورتیں آتی تھیں۔ کسی نے جھاڑو سنبھال لی، کوئی آٹا گوندھنے لگی۔ آناً فاناً سب کام ہو جاتے۔ تائی تو چودھرائن تھیں۔ اب بھی ہیں اور آپ۔"

وہ ہنستی چلی جاتی ہے میں لب بھینچ کر رہ جاتی ہوں۔

"ممی کہتی تھیں، تمہیں وہاں بہت مختلف ماحول ملے گا لیکن اس ماحول کو اپنانے کی کوشش کرنا۔ شادی کے ابتدائی چند سال بہت مشکل مگر بے حد اہم ہوتے ہیں، یہ عرصہ حوصلے سے گزار دو گی تو باقی وقت تمہارا ہو گا۔"

اور میں شاید اپنا حوصلہ آزما رہی ہوں۔ اکثر سوچتی ہوں زبیر سے اس سلسلے میں بات کروں پھر سوچتی ہوں۔

بہت غیر اہم سی باتیں ہیں۔ گھر کے کام ہی تو ہیں ختم ہو ہی جاتے ہیں۔ لیکن آج اک بہت ہی عجیب سی بات ہو گئی۔

کل سارا کام سمیٹ کر میں برآمدے میں آ بیٹھی۔ دوپہر کے کھانے کا وقت تھا، عورتیں ڈیڑھ دو گھنٹے کی چھٹی کرتی ہیں۔ بس اماں نذیراں رہ جاتی۔ اپنے رعشہ زدہ ہاتھوں سے پھٹیاں چنتی رہتی۔ اور یوں ہی دوپہر ڈھل جاتی۔ میں اس کے چہرے کی لاتعداد جھریوں میں برسوں کا سفر کرتی تھی۔ جب پھپھو باہر جا رہی تھیں اور وہ جاتے ہوئے کبھی نہیں بتاتی تھیں کہ کہاں جا رہی ہیں مگر اس دن پلٹ آئیں۔

"میں ذرا فاطمہ کی طرف جا رہی ہوں۔"

"جی!" میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یہ نذیراں روٹی مانگے گی، مت دینا۔ عادت پڑ گئی ہے ان کمیوں کو یہیں سے کھانے کی۔" پھپھو کہہ کر چلی گئی تھیں۔ اب میری جرات نہیں تھی کہ اماں نذیراں کو روٹی دے دیتی مگر انکار۔۔۔ انکار کیسے کرتی۔۔

۔ میں بیٹھی جلتی کڑھتی رہی۔

تب ہی اماں نذیراں کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہوئی۔ میں بھی کھڑی ہو گئی۔ میں نے سوچا کمرے میں چلی جاؤں انکار کی اذیت سے تو بچ جاؤں گی مگر اس نے پکار لیا اور وہ وہی سوال کر رہی تھی۔

"روٹی ہو گی۔"

میں شش و پنج میں کھڑی تھی۔ میرے عقب میں باورچی خانہ تھا جس میں سے تازہ روٹیوں کی سوندھی سوندھی مہک آ رہی تھی۔

"اماں! روٹیاں تو ختم ہو گئیں، کہو تو بنا دوں۔" میں نے بہ دقت کہا تھا۔

"نہ دھیے! اب کہاں چولہا گرم کرو گی۔" وہ جھکی جھکی کمر کے ساتھ چلی گئی۔

میں ندامت میں گھری رہی، اپنی بزدلی پر غصہ بھی آیا۔ ایک روٹی لپیٹ کر دے دیتی کہ اماں گھر جا کر کھالو مگر پھر پھپھو کا کیا ہوتا، انہیں پتا چلتا تو صاف کہہ دیتیں۔

"تمہارے باپ کا مال ہے جو یوں لٹا رہی ہو"

مگر مجھے سارا دن بے چینی سی لگی رہی تھی، لیکن اگلے دن میرے وجود نے ہلنے سے انکار کر دیا تھا، جب پھپھو نے تازہ پراٹھا بنایا اور چائے کا پیالہ بھر کر اماں نذیراں کو دیا تھا۔ اماں نذیراں اک تواتر سے انہیں دعائیں دیتی رہی تھی۔

****

شاداب کے پیپر کیا شروع ہوئے، گویا بھونچال آ گیا۔ کھانا پینا سب بھول گیا۔ بہت سا پڑھنے والا باقی تھا، سو اب ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔ نہیں یاد ہوتا تو سائرہ کی گود میں سر رکھ کر رو پڑتی۔ وہ دودھ میں بادام گھول گھول کر پلاتیں، زریاب کو کوفت ہونے لگی۔ اس کا غیر سنجیدہ ولا ابالی انداز، بات بے بات رو دینا، چڑ ہونے لگی تھی۔

"لڑکیوں کو ذمہ دار، سنجیدہ اور بولڈ ہونا چاہیئے"

شابی کو بسورتے دیکھ کر اس نے سوچا تھا۔ آج اس کا پیپر تھا ناشتے کی میز پر بھی وہ کتاب سمیت موجود تھی۔

"رومیہ کی طرح۔" اسے اچانک خیال آیا تو وہ چونک سا گیا۔

"ہاں رومیہ کی طرح خوبصورت، بولڈ اور شوخ"

"آنٹی! بہت بہت دعا کیجیئے گا!" شابی کہہ رہی تھی۔ نجمہ اسکول کی پرنسپل تھیں۔ اسے ڈھیروں ہدایات

دے کر اسکول چلی گئی تھیں۔ مریم نے اس کے کپڑے استری کیے تھے۔ فضہ نے رول نمپر سلپ، پین اور دیگر چیزیں پوری کر کے دی تھیں۔

"زریاب بیٹا! شابی کو چھوڑ آؤ۔" سائرہ نے کہا۔

"میں۔" وہ کچھ متذبذب ہوا۔

"ہاں جنید تو صبح ہی نکل گیا، واپسی پر وہ لے لے گا۔"

"ویسے میں خود بھی جا سکتی ہوں، ڈرائیونگ آتی ہے مجھے۔" اسے متذبذب دیکھ کر شابی نے جتایا۔

"یہ بات مجھ سے بہتر کون جانتا ہو گا۔" زریاب نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"افوہ۔۔۔ میری سلپ۔۔۔"

"یہ رہی۔" فضہ جھنجلا کر بولی۔

زریاب نے چابیاں اٹھا لیں۔

"ذرا جلدی نکلو۔"

"ایک تو یہ بھی جنید بھائی کی دوسری شکل ہیں۔"

سب چیزیں سنبھالتی ہوئی پیچھے بھاگی۔

ہائے کی آواز پر زریاب پلٹے بغیر بتا سکتا تھا کہ کہیں ٹھوکر لگی ہے۔ ایک طویل سانس لے کر پلٹا۔ سفید چوڑی دار پائجامہ، اورنج شرٹ، دوپٹہ جس پر سفید پھول کڑھے تھے۔ سفید نازک سی چپل، شاداب چہرے پر گھبراہٹ کے رنگ اور سب کچھ سمیٹتی گاڑی میں آ سمائی۔ جب تک گاڑی روڈ پر آئی، وہ کندھوں تک چند نوٹس

پھیلائے منہمک تھی۔ ہلکی سی بڑبڑاہٹ گاڑی کی خاموش فضا میں ننھے شگاف ڈالنے لگی۔

"ماہر معاشیات باؤلے۔۔۔آزمائش کی معقولیت۔۔۔

Reliability

۔۔۔پاکستان میں۔"

زریاب کے اعصاب پر جھنجلاہٹ سوار ہو گئی۔ وہی کوفت اور بے زاری جو پچھلے کئی دنوں سے محسوس کر رہا تھا۔

"1974 میں۔۔۔"وہ ہر صفحے پر سرسری سی نگاہ دوڑا رہی تھی۔ تب ہی زریاب نے اس کے ہاتھوں سے نوٹس کھینچے اور عقب میں اچھال دیے۔ شابی نے بوکھلا کر اسے دیکھا۔

"پیپر سے چند منٹ پہلے خود کو پر سکون رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو کچھ تم پڑھ رہی ہو کیا سمجھ میں آ رہا ہے۔"اس کا لہجہ مدھم اور سنجیدہ تھا۔

"ہاں مگر مجھے دو سوال دیکھنے ہیں۔"

زریاب نے کوئی جواب نہ دیا تو وہ دل ہی دل میں اسے کوستی سیدھی ہو بیٹھی۔ گاڑی کالج کے دروازے کے سامنے رکی تو وہ اترتے اترتے رک گئی۔

"اب تو لے لوں۔"

زریاب باہر نکلا۔ پچھلا دروازہ کھول کر بکھرے نوٹس سمیٹ کر اس کے ہاتھ میں دیے۔ ہوا میں تیزی آ گئی تھی، وہ بڑا سا دوپٹہ سنبھالتی دوسرے ہاتھ سے نوٹس پکڑ کر بھاگی پھر رک گئی۔

"موسم خراب ہو رہا ہے، جنید بھائی سے کہیے گا واپسی پر ضرور پک کر لیں۔"

زریاب نے ہلکے اثبات میں سر ہلایا۔

گیٹ پر ہی فوزیہ مل گئی۔

"پیپر کی تیاری۔۔۔"

"پہلے یہ بتاؤ آئی کس کے ساتھ ہو؟"فوزیہ کے لہجے میں اشتیاق ہی اشتیاق تھا۔

"کزن ہیں میرے۔"اسے پیپر کی پڑی تھی افراتفری میں جواب دیا۔

"کیا شاندار بندہ ہے۔"

فوزیہ کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ اس نے پہلے فوزیہ کو اور پھر پلٹ کر زریاب کو دیکھا، سیاہ بادلوں نے آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ایک پل کو اسے لگا کہ ارد گرد کی ہر چیز غائب ہو گئی ہے۔ بس سر پر جھکا سیاہ بادلوں سے ڈھکا آسمان تھا۔ بلند و بالا جھومتے درخت اور اس تمام منظر پر چھاتا زریاب مرتضی ہمدانی۔ سیاہ پینٹ اور سیاہ ہاف سلیوز کی شرٹ میں اس کا دراز قد کچھ اور نمایاں ہو رہا تھا۔ شابی کے یوں دیکھنے پر وہ گاڑی میں بیٹھتے بیٹھتے رک گیا۔ سر کے ہلکے سے اشارے سے اس کا مسئلہ بھی پوچھا۔ شابی نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا اور پلٹ کر بے حد تحیر سے فوزیہ سے کہنے لگی۔

"کمال ہے مجھے تو پتا ہی نہیں تھا کہ میرے کزن اتنے ہینڈسم ہیں۔"

"تمہارے نزدیک کی نظر خاصی کمزور واقع ہوئی ہے۔"

دونوں ہنستے ہوئے اندر چلی گئیں۔ واپسی پر بھی زریاب کو ہی آنا پڑا، جنید مصروف تھا۔ شابی کا چہرہ مرجھایا ہوا

تھا۔ زریاب کو لگا اگر اس نے پیپر کے بارے میں پوچھ لیا تو وہ ابھی رو دے گی اور پوچھنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ رزلٹ اس کے چہرے پر لکھا تھا، سارا راستہ بے حد خاموشی میں کٹا۔ گاڑی رکتے ہی وہ اندر بھاگی۔

اور بغیر ادھر ادھر دیکھے سیدھے اپنے کمرے میں۔

"اسے کیا ہوا؟" سائرہ نے زریاب سے پوچھا۔ وہ کندھے اچکا کر رہ گیا۔

"میں دیکھتا ہوں۔" عظیم سیڑھیاں چڑھ گیا۔

"یقینا پیپر اچھا نہیں ہوا۔" وہ بڑبڑائیں

وہ کارپٹ پر بیٹھی بیڈ پر دونوں بازوؤں میں چہرہ چھپائے زار و قطار رو رہی تھی۔ عظیم بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"اچھا، اس طرح رونے سے کیا ہو گا۔" تسلی دینے کو مناسب الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ آہستگی سے اس کے بال سہلانے لگا۔

"اور یہ کوئی پہلی بار تو نہیں ہوا۔ تقریباً ہر سال یہی تو ہوتا ہے۔ اب تو سب عادی ہو گئے ہیں۔ تمہیں بھی ہو جانا چاہیئے۔ زیادہ سے زیادہ کیا ہو گا، سپلی آ جائے گی۔ کوئی بات نہیں، دوبارہ دے دینا۔۔۔ آخر بی اے میں بھی تو۔۔۔"

"یہ۔۔۔ یہ سب اس پنجابی فلم کے ولن کی وجہ سے ہوا ہے۔" وہ سر اٹھا کر پھٹ پڑی۔

"کل تم لوگوں نے پنجابی فلم دیکھی تھی۔" عظیم نے تاسف سے سر ہلایا۔ "چہ۔۔۔ چہ۔۔۔ یہ تو پھر ہونا ہی تھا۔"

"تمہارے اس زریاب بھائی کی بات کر رہی ہوں۔"

"ہیں۔۔۔ ان کا کیا قصور۔۔۔ اور کچھ تو خدا کا خوف کرو، ہالی وڈ کا ہیرو قرار دو تو بندہ تسلیم بھی کرے۔ پنجابی فلم۔۔۔ اور وہ بھی ولن۔"

"تمہیں پتا ہے عظیم! وہی سوال آ گیا، اگر وہ مجھے پڑھ لینے دیتے تو۔۔۔"

"باقی چار سوالوں کا کیا ہوا؟ ہمدردانہ لہجہ، متبسم نگاہیں۔

"تین تو میں نے لکھ دیے اور چوتھا۔۔۔" اس نے فائل سے پیپر کھینچا۔ "یہ سوال مجھے آتا تھا مگر یہ وہاں نہیں تھا اور اب یہ پیپر میں ہے جبکہ یہ کمرہ امتحان میں مجھے نظر ہی نہیں آیا، حالانکہ یہ مجھے آتا تھا۔"

وہی پیپر کو پورا نہ پڑھنے کی بیماری عظیم اسے دیکھتا رہا جو پھر سے رو رہی تھی اور بار بار سوال پڑھ رہی تھی۔ اس کے ہونٹ پھیلے اس نے ضبط کی کوشش بھی کی مگر دوسرے پل منہ پر ہاتھ رکھتا پیچھے کو الٹ گیا۔ اس کے قہقہوں سے کمرہ گونجنے لگا تھا۔

****

17 ستمبر 2002

آج زبیر نے ایک بہت ہی عجیب بات کہی اور میں ہکا بکا سی انہیں دیکھتی رہ گئی۔ آج وہ لان کے سوٹ پیس لے کر آئے تھے، دو میرے اور دو پھپھو کے لیے۔ بہت خوبصورت کلر اور بہت خوبصورت ڈیزائن۔ زبیر کی چوائس واقعی بہت اعلیٰ تھی۔

مجھے پتا تھا، آج زبیر کو آنا ہے، اس لیے میں نے سارا کام پہلے ہی سمیٹ لیا تھا۔ کچھ اچھی اچھی سی ڈشز بنا کر فریز کر دی تھیں۔ پھپھو کے سر میں شاید درد تھا، وہ سارا دن کمرے میں ہی بند رہیں۔ میں نے ایک دو بار پوچھا کہ

کھانا لا دوں یا کچھ اور بنا دوں۔ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔ منہ سے بھی کچھ نہیں بولیں۔

کبھی کبھی ان کا رویہ واقعی بہت عجیب سا ہو جاتا ہے۔ وہ اتنی اجنبی بن جاتی ہیں کہ مزید بات کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی۔ شام ڈھلنے لگی تو میں نے ایک بار پھر سرخ فرش پر گیلا کپڑا پھیر دیا۔ فرش مزید سرخ ہو گیا تھا۔ ستون سے لپٹی بیلیں بھی دھو ڈالیں، سرخ فرش کے پس منظر کے ساتھ ان کا سبز رنگ کچھ اور نکھر آیا تھا۔ یہ بیل میری فرمائش پر زبیر نے لگائی تھی بلکہ جب شادی کے بعد مجھے پتا چلا کہ زبیر مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جا رہے اور مجھے یہیں گاؤں میں پھپھو کے پاس رہنا ہو گا تو میں فطری طور پر پریشان اور ہراساں ہو گئی تھی۔ گاؤں کا ماحول اور پھپھو کا مزاج۔۔۔ مگر میں زبیر کی مجبوریاں بھی سمجھتی تھی۔ وہ پھپھو کے اکلوتے بیٹے تھے۔ پھپھو ان کے جانے کے بعد بالکل تنہا ہو جاتی ہیں اور میرا فرض ہے کہ میں ان کی تنہائی بانٹوں اور ان

کا خیال رکھوں اور اب تک میں یہی سوچتی ہوں کہ میں یہ سارے کام کس طرح کروں۔ وہ تو گھر میں ہوتی ہی نہیں اور جب ہوتی ہیں تو اپنے کمرے میں بند۔ کبھی دل کڑا کر کے پاس جا بیٹھوں تو یوں لگتا ہے میں دیواروں سے باتیں کر رہی ہوں۔ ان کے چہرے کے تاثرات اتنے برفیلے ہوتے ہیں کہ پھر مجھے اٹھنا ہی پڑتا ہے اور اب میں سوچتی ہوں کہ میرا خیال کون رکھے گا، میری تنہائی کون بانٹے گا۔ بات نجانے کہاں سے کہاں نکل گئی۔

میں تو اس دن کا ذکر کر رہی تھی، جب زبیر کو آنا تھا اور وہ بیل۔۔۔

ہاں تب وہ بیل وہاں زبیر نے لگائی تھی کہ میں کئی بار ان سے کہہ چکی تھی کہ گھر میں کچھ پھول پودے تو ہونے ہی چاہئیں۔

"جب میں بہت یاد آؤں تو اسے پانی دینا اور اس سے میری باتیں کرنا۔"

ان کے شریر لہجے پر میں چڑ سی گئی۔ بھلا یہ بیل ان کی نعم البدل ہو سکتی ہے۔ یہ بیل ان کی نعم البدل نہیں تھی مگر ان کے جانے کے بعد میں واقعی اس سے باتیں کرنے لگی تھی۔۔۔ زبیر کی باتیں اور بہت سی ایسی باتیں جو میں زبیر سے بھی نہیں کر سکتی تھی۔ چند مہینوں میں یہ بیل بہت پھیل گئی تھی اور اب تو اس پر سفید پھول بھی آنے لگے ہیں، خیر اس سے فارغ ہو کر میں نے نہا کر وہ پنک سوٹ پہنا جس پر ریشم کے پھول بنے تھے اور ممی نے مجھے لے کر دیا تھا، ہلکی لپ اسٹک، ہلکی سی ہم رنگ جیولری پہن کر میں تیار ہو گئی تھی۔

بہت دیر، ادھر ادھر ٹہلنے کے بعد مجھے احساس ہوا۔ پھپھو جالی کے دروازے کے عقب سے بار بار جھانک رہی ہیں، مجھے شرم سی آ گئی۔ ایسی بھی کیا بے تابی، میں کمرے میں آ کر میگزین کھول کر بیٹھ گئی اور انتظار کرتے کرتے نجانے کب مجھے اونگھ سی آ گئی۔ شاید سارے دن کی تھکاوٹ کا اثر تھا اور جب۔۔۔ آنکھ کھلی تو باہر سے زبیر کی آواز آ رہی تھی۔

"ارے۔۔۔ یہ کب آئے۔" میں ہڑبڑا کر اٹھی۔ بال الجھ سے گئے تھے۔ جلدی جلدی برش کر کے چہرے پر مسکراہٹ سجاتی باہر آ گئی۔ زبیر سکنجبین پی چکے تھے جو کہ میں بنا کر فریج میں پہلے ہی رکھ گئی تھی، خالی جگ سامنے پڑا تھا۔

"السلام علیکم!" میں نے آہستگی مگر خوشدلی سے کہا۔

"وعلیکم السلام!" زبیر نے نظر بھر کر میری تیاری کو دیکھا مگر چہرہ سنجیدہ ہی تھا۔

"کھانا لگاؤں"

"نہا کر کھاؤں گا۔"

میں پھپھو کے پاس بیٹھ گئی، چارپائی پر کچھ سوٹ پڑے تھے۔

"یہ۔۔۔"

"دو تمہارے ہیں، دو امی کے" زبیر نے آہستگی سے بتایا۔

"بہت خوبصورت ہیں۔ ہے نا پھپھو!"

میں نے خوش ہو کر تائید چاہی۔ پھپھو نے ہلکی سی ہوں پر اکتفا کیا۔ تب ہی مجھے احساس ہوا، ماحول میں کچھ کشیدگی سی ہے۔ پھپھو کھل کر بات نہیں کر رہی تھیں، بلکہ وہ زبیر سے کوئی بات کرتی بھی تھیں تو اتنی آہستہ کہ اتنا قریب ہوتے ہوئے بھی میری سمجھ میں کچھ نہ آتا۔ زبیر کی نگاہیں بار بار میری طرف اٹھ رہی تھیں مگر ان نگاہوں میں میرے لیے نہ کوئی پیغام تھا اور نہ وارفتگی۔ میں نے کچھ الجھ کر پھپھو کی طرح دیکھا، وہ نجانے کس سوچ میں ڈوبی تھیں، میں بے اختیار کہہ اٹھی۔

"ارے پھپھو! آپ نے کپڑے نہیں بدلے۔"

حالانکہ میں نے دوپہر ہی میں کپڑے استری کر کے باتھ روم میں لٹکا دیے تھے۔

"اب بدلوں گی۔"

انہوں نے اب پر زور دیا تو زبیر نے ان کا ہاتھ تھام کر اس کی پشت پر بوسہ دیا۔

"امی! جائیں، پہلے نہالیں۔"

پھپھو نے بے حد پیار سے زبیر کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

اور نہانے چلی گئیں۔ میں دانستہ سوٹوں کی طرف متوجہ ہو گئی، جب زبیر نے وہی بات کی۔

"امی کا خیال رکھا کرو نایاب!"

"رکھتی تو ہوں۔"

"کاموں میں ان کا ہاتھ بٹایا کرو پاس بیٹھا کرو باتیں کیا کرو۔" زبیر کہہ رہے تھے اور میں ہکا بکا انہیں دیکھ رہی تھی۔

"پھپھو نے آپ سے کچھ کہا۔"

"نہیں۔۔۔ لیکن کیا مجھے خود احساس نہیں ہو سکتا۔" وہ اٹھ کر اندر چلے گئے۔

"کیسا احساس؟" میں نے پریشان ہو کر سوچا اور وہیں بیٹھ کر اپنا محاسبہ کرنے لگی۔

کہاں کوتاہی ہوئی؟

کہاں کمی رہ گئی؟

ایسا کیا ہوا کہ زبیر نے یہ سب کہا؟

کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا مگر۔۔۔ مگر بہت سی ایسی باتیں ضرور گرفت میں آنے لگیں جو اس سے پہلے میں نظر انداز کر دیتی تھی کہ چھوٹی چھوٹی باتیں نظر انداز کر دینا ہی اچھا ہے مگر اب اس لمحے بہت کچھ سمجھ میں آیا تھا۔

"ارے۔۔۔ میں احمق ہی رہی۔ اتنا عرصہ یہ بھی نہ سمجھ سکی کہ جب مردوں کے گھر آنے کا وقت ہو تو چہرے پر تھکن اور ملگجے لباس میں خود کو بے حد مصروف ثابت کرنا چاہیئے اور سمجھ بھی کیسے سکتی تھی میں نے تو ممی کو ہمیشہ سج سنور کر پاپا کا استقبال کرتے دیکھا تھا اور پاپا کا وہ شریر سا انداز۔

"ساری تھکن اتر گئی۔"

جس دن زبیر کے آنے کا وقت ہوتا میں صاف ستھرے لباس میں خوشبو میں بسی ان کی منتظر ہوتی اور اتنا غور بھی نہ کیا کہ سارا دن فارغ رہنے کے بعد پھپھو کو عین اس وقت کوئی نہ کوئی کام کیوں سوج جاتا تھا مگر زبیر تو دیکھتے تھے۔ وہ جب بھی گھر آتے، ماں تھکن زدہ چہرہ لیے مصروف نظر آتیں۔ کبھی سیڑھیاں دھوتی، کبھی برتن تو کبھی کوئی نہ کوئی کپڑا سرف میں بھگوئے اور یقیناً وہ دل ہی دل میں ممنون ہو جاتے ہوں گے کہ ان کی بیوی شہر کی ہے اور ایسے کاموں کی عادی نہیں اور ماں نے اپنی بہو کا بہت خیال رکھا ہے۔ اگر کبھی دبے لفظوں میں مجھ سے کہا بھی تو میں سمجھی بس یونہی تاکید کے لیے کہہ دیتے ہیں اور اگر اب میں ان سے یہ سب کہوں تو کیا وہ میری بات کا یقین کر لیں گے۔"

اس سے آگے بس کچھ آڑی ترچھی لکیریں کھینچی گئی تھیں۔

****

شابی کے پیپر ختم ہوئے تو جہاں اس نے سکھ کا سانس لیا تھا، وہیں باقی سب گھر والوں نے بھی شکر کا کلمہ پڑھا۔ شابی اس بات پر اڑی پھر رہی تھی کہ باقی کے سارے پیپرز خلاف توقع اچھے ہو گئے تھے۔ صبح جلدی اٹھنے کی عادت تو تھی ہی، عظیم کو لے کر ٹہلنے کے لیے نکل جاتی۔ واپسی پر ناشتے کی ذمہ داری نجمہ نے اسی کے سپرد کر دی تھی کہ بیٹیوں کے سارے لاڈ اٹھانے کے ساتھ ساتھ بہت شروع سے انہیں گھریلو کاموں میں بھی لگائے رکھتی تھیں۔

ناشتہ بنا کر سب کو دینے کے بعد وہ ٹی وی کے سامنے براجمان ہو جاتی۔ ناشتہ کرتی، اخبار چاٹتی، موڈ ہوتا تو

ملازمہ کے سر پر کھڑی ہو کر صفائی کرواتی ورنہ چینل بدلتی رہتی۔ ملازمہ کے عیش ہوتے۔ سائرہ دوپہر کے کھانے کی تیاری کرتیں تو سبزی بھی یہیں کاٹی جاتی۔ باتیں بھی ہوتیں اور ٹی وی بھی دیکھا جاتا۔ اس کی باتوں میں سادگی اور بے ساختگی ہوتی۔ سائرہ تو مسکراتی رہتیں اور دل ہی دل میں سوچتیں۔

"کاش! جنید مان جاتا تو یہ چہکتی بلبل اسی آنگن کی رونق بڑھاتی رہتی۔"

مگر جنید کو وہ بے وقوف لگتی تھی۔ حالانکہ وہ ذرا لاابالی تھی۔ کچھ عمر کا تقاضا تھا کچھ لاڈ پیار کی وجہ، چند سال گزرتے، ذمہ داری پڑتی تو مزاج میں خود بخود تبدیلی آ جاتی۔

"مگر ان لڑکوں کو کون سمجھائے، دلوں میں چھپے

خلوص اور محبت نہیں جانچتے۔ انہیں تو بس چٹر پٹر باتیں کرتی لڑکیاں چاہئیں، چاہے آتے ہی گھر والوں کو کونے میں لگا دیں۔" وہ دل مسوس کر رہ جاتیں۔

زریاب کو وہ صبح جاگنگ سے واپسی پر نظر آتی تھی۔ پسینہ پسینہ چہرہ لیے عظیم سے کسی بات سے جھگڑتی ہوئی پھر ٹی وی کے سامنے چائے کا کپ ہاتھ میں لیے سائرہ کو ڈرامے کی پچھلی قسط کا خلاصہ بآواز بلند سناتی۔

دوپہر کو لوٹتا تو رسالہ ہاتھ میں ہوتا وہیں لاؤنج میں براجمان سیب کھا رہی ہوتی۔ سائرہ کچن میں ہوتیں۔

زریاب کے اوپر بھی خاصا برا امپریشن پڑا تھا۔

نالائق کھانے اور ٹی وی کی شوقین باتیں بنانے میں ماہر۔

اب اگر لنچ پر سائرہ سب کو بتا رہی تھیں کہ یہ دم کے کباب اور سالن شابی نے بنائے ہیں تو زریاب کچھ طنزاً ہی مسکرایا تھا۔ اسی وقت رومیہ کا فون آ گیا۔ وہ معذرت کر کے اٹھ گیا، سائرہ نے خاصی تشویش سے اسے دیکھا

تھا پھر نجمہ سے بھی ذکر کیا تھا۔ پریشان تو وہ بھی ہوئی تھیں۔ رومیہ اور زریاب میں جتنی تیزی سے دوستی پروان چڑھی تھی، سارے خاندان میں چہ مگوئیاں شروع ہو گئی تھیں۔

22 ستمبر 2002

"تم کچھ پریشان ہو رباب!"

میں یہ جملہ سن کر ذرا سا رک گئی۔ آج بہت دنوں کے بعد زبیر کو میرا چہرہ پڑھنے کی فرصت ملی تھی۔

"نہیں تو۔"

"تو پھر چپ کیوں ہو، امی نے کچھ کہا؟"

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔" میں وارڈروب سے کپڑے نکال کر بیگ میں بھرتی رہی۔

"شاید تم میرے ساتھ خوش نہیں ہو۔"

نجانے زبیر کو یہ خیال کیوں آیا تھا، میں ٹھٹک سی گئی اور بے اختیار پوچھنے لگی۔

"یہ آپ سے کس نے کہا؟"

"تمہارے رویے نے۔" انہوں نے عقب سے آکر دونوں ہاتھ میرے کندھوں پر رکھ دیے۔

"میرے رویے کو کیا ہوا ہے؟" میں نے پلٹ کر قدرے حیرت سے پوچھا تو وہ بے اختیار مجھ پر جھک گئے۔

"اتنی نازک سی ہو، پر دل گویا پتھر کا پایا ہے۔"

"آپ تو بس یونہی۔"

"کبھی تو اپنے دل کی بات بتا دیا کرو۔"

"اب تو آپ جا رہے ہیں۔" وہ بھی میرے لہجے کی اداسی محسوس کر گئے تھے۔

"اس لیے اداس ہو؟"

میں خاموش ہی رہی تو وہ جھنجلا سے گئے۔

"ایک تو میں تمہیں سمجھ نہیں پاتا کہ مامی نے تمہاری تربیت کس طرح کی ہے۔ مجال ہے کہ کبھی کوئی بات کھل کر بتاؤ۔ اداسی ہے تو تمہارے اندر بستی ہے۔ پریشان ہو تو گم صم ہو جاتی ہو۔ خوشی کا اندازہ محض تمہاری ایک مدھم مسکان سے ہوتا ہے۔ یار کھل کر کہا کرو، کھل کر ہنسا کرو۔ سردیوں کی بارش کی طرح بس کن من کن من ہوتی ہے کبھی تو ساون کا بادل ہو جاؤ۔ کبھی تو کھل کر سیراب کرو۔"

وہ جھنجلا کر کہتے کہتے شوخ ہو گئے۔

"میرا مزاج ہی ایسا ہے۔" میرے لہجے میں بے بسی تھی۔

"تو بدلو اس مزاج کو، اداس ہو تو کہو تم اداس ہو۔"

"اس سے کیا ہو گا؟"

"شاید تمہیں ساتھ ہی لے جاؤں۔"

"تو پھر مجھے ساتھ ہی لے جائیں۔"

وہ جو بہت ہی لائٹ سے موڈ میں تھے، میرے سنجیدہ لہجے پر ٹھٹک کر دیکھنے لگے۔

"تمہیں یہاں کوئی پرابلم ہے؟"

میں نے بڑی مایوسی سے نفی میں سر ہلایا تھا۔اب انہیں اور کیا کیا بتاتی کہ اس بار ان کا جانا میرے اندر کتنی گہری اداسی بو رہا ہے۔مجھے لگتا ہے، میں اندر سے

18

خالی ہو رہی ہوں اور وہ کہہ رہے تھے۔

"میں جانتا ہوں رباب! امی کی نیچر ذرا اور طرح کی ہے۔ان کا رویہ تمہارے ساتھ روایتی ساس والا ہے لیکن خود کو ان کی جگہ رکھ کر سوچو، میں ان کی عمر بھر کی کمائی ہوں، بیوگی کے بعد جس طرح انہوں نے زمینوں کا انتظام سنبھالا اور جس طرح میری تعلیم و تربیت کی، مامی نے تمہیں بتایا ہی ہو گا۔"

"ہاں، ممی نے کچھ بتایا تو تھا۔"

"بہت قربانیاں دی ہیں انہوں نے میرے لیے، اب وہ مجھ سے اگر کچھ امید کرتی ہیں تو کیا میں ان کی امید توڑ دوں۔رباب! انہیں ہمارے بچے کی ہم سے زیادہ خوشی ہے۔میں نے ان سے دبے لفظوں میں کہا تھا مگر۔۔۔"

وہ بے بسی سے کندھے اچکا کر رہ گئے۔

"ان کے خیال میں اب تمہیں لمبا سفر نہیں کرنا چاہیئے۔"

"ابھی بہت وقت ہے زبیر۔"

"ہاں مگر امی۔"

پتا نہیں زبیر اس مقام پر آ کر اتنے کمزور کیوں ہو جاتے ہیں۔میں اس کو سمجھ نہیں پاتی اور زبیر کہتے ہیں۔جب

تمہارا بچہ تمہاری گود میں آئے گا، تب تم اس جذبے کو سمجھ سکو گی۔شاید وہ ٹھیک ہی کہتے ہوں۔جانے سے قبل انہوں نے وعدہ کیا تھا، وہ ہر ہفتے فون کریں گے۔ایک تو تایا جمیل کے گھر فون سننے جانا مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔میں نے فون لگوانے کی بات کی تو پھوپھو نے تڑخ کر کہا تھا۔

"کم از کم تم اس گھر کو بدلنے کی کوشش مت کرو۔"

زبیر نے میرا ہاتھ دبا کر چپ رہنے کو کہا، وہ چلے گئے ہیں اور میرا کمرہ کتنا ویران اور سونا لگ رہا ہے، بالکل میرے دل کی طرح اور مجھے ابھی سے ان کے فون کا انتظار رہنے لگا ہے، پاگل ہوں نا۔۔۔ابھی تو وہ راستے میں ہوں گے۔

****

سائرہ بہت دنوں سے محسوس کر رہی تھیں۔نجمہ کچھ چپ چپ سی ہیں۔اس وقت بھی مٹر چھیلتے چھیلتے نجانے کس سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔اتوار کا دن تھا، اس لیے لاؤنج آباد تھا۔لڑکیاں ٹی وی لگائے اپنی سرگرمیوں میں مگن تھیں، باتیں بھی ہو رہی تھیں، رسالے بھی کھنگالے جا رہے تھے، سائرہ بھی سبزی وہیں لے آئی تھیں۔

"کچھ پریشان سی لگتی ہو، خیریت۔"

"ہاں، خیریت ہی ہے۔"

"اسکول تو ٹھیک جا رہا ہے۔"

"ہاں، بس یونہی۔لگتا ہے تھکنے لگی ہوں۔"

"تھکن کیسی؟" سائرہ نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"بہت بھاگوان ہے وہ عورت جسے اپنے شوہر کے ہاتھوں قبر کی مٹی نصیب ہو۔" انہوں نے اک سرد آہ بھری۔

"نجمہ! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" فطری طور پر سائرہ پریشان ہو گئیں۔ نجمہ جیسی مضبوط اعصاب کی عورت کے منہ سے یہ الفاظ سن کر انہیں دھچکا سا لگا تھا۔ دو بچیوں کے ساتھ بیوگی کا یہ طویل عرصہ جس ہمت اور حوصلے سے انہوں نے گزارا تھا، وہ قابل تحسین تھا۔

"ارے تم تو یونہی گھبرا گئیں، سائرہ! میں تو یونہی کہہ گئی۔"

"رباب یاد آ رہی ہے؟"

"ہاں، دھیان تو سارا اسی کی طرف لگا رہتا ہے۔"

"اس کی حالت جو ایسی ہے۔"

"سوچتی ہوں اسے جا کر لے آؤں۔" کل زبیر کا فون آیا تھا، رباب اس کے ساتھ نہیں جا رہی تھی اور وہ اپنی نند کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھیں، اسی لیے پریشان سی ہو گئی تھیں۔

"سوچنا نہیں ہے ممی! بس لے آیئے گا۔ کتنا عرصہ ہو گیا ہے انہیں یہاں آئے ہوئے۔ لگتا ہے بھول ہی گئی ہیں۔" شاداب کے کانوں میں آواز چلی گئی تھی۔

"ابھی تین ماہ پہلے ہی تو آئی تھی۔" سائرہ نے کہا۔

"تین ماہ کم ہوتے ہیں آنٹی! اور صرف دو دن کے لیے۔"

"اللہ کرے اسے وہاں اتنی محبت ملے کہ وہ سچ مچ ہمیں بھول جائے۔" سائرہ مسکرائیں۔

"خواہ مخواہ ہی، اگر ایسا ہوا تو میں ان سے خوب لڑوں گی۔" فضہ اچھل پڑی۔

"مجھے تو اس بات کی خوشی ہے کہ چند ماہ کے بعد ہم خالہ بن جائیں گے۔ کتنا مزا آئے گا۔" مریم کی انگلیوں میں ننھے منے وجود کو گدگدی کرنے کی خواہش جاگی۔ وہ تو بچوں کی دیوانی تھی۔

"اور ممی! نانی بن جائیں گی۔۔۔ اتنی ینگ سی نانی کیسی لگیں گی۔" شاداب نے ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"فضول مت بولو۔" وہ ذرا سا مسکرائیں۔

"ممی! اگر پھپھو نے رباب کو نہ آنے دیا تو۔" شابی نے خدشہ ظاہر کیا۔

"تو ایسی صورت میں، میں کیا کر پاؤں گی۔"

"زبردستی لے آیئے گا۔" فضہ کی سوچ اسی کی طرح لاابالی تھی۔

"ہو سکتا ہے، وہ چاہیں کہ پہلا بچہ وہیں پیدا ہو۔" ممی نے اس کی بات پر توجہ نہیں دی تھی۔

"خواہ مخواہ ہی۔" سائرہ نے دخل دیا۔ "پہلا بچہ ہمیشہ ماں کے گھر میں ہوتا ہے، یہی رسم ہے۔"

"پتا نہیں وہاں رباب کا کوئی خیال بھی رکھتا ہو گا یا نہیں۔"

"ایسا کیوں سوچتی ہو شابی! وہ کوئی غیر تو نہیں، تمہاری پھپھو کا گھر ہے۔"

"اتنی پراؤڈ سی تو ہیں پھپھو۔" شابی نے منہ بنایا۔

"تو اور کیا، بری دکھاتے ہوئے دیکھا تھا۔ کس طرح ایک ایک چیز کی قیمت بڑھا بڑھا کر بیان کر رہی تھیں۔ حالانکہ۔۔۔ رباب نے اپنے کپڑے کتنے نفیس اور خوبصورت بنوائے تھے۔۔۔"

"تم لوگ ایسی باتیں کیوں کر رہی ہو؟" ممی بے چین سی ہو گئیں۔

"چیزوں سے کیا ہوتا ہے، برتنا اور سہنا تو لوگوں کا ہوتا ہے اور شابی بیٹا! یہ تو ہم سب مانتے اور جانتے ہیں کہ زبیر کو دیکھ کر کیا تھا۔ رباب کو اگر کوئی تکلیف ہوتیں تو کیا ہمیں نہیں بتاتی۔"

"بعض معاملات۔۔۔ میں رباب بہت گہری ہیں، وہ اپنا کسی سے نہیں کہتیں۔ پاپا کی ڈیتھ کا سب سے زیادہ اثر انہوں نے ہی لیا تھا۔ پاپا ان سے سب سے زیادہ پیار کرتے تھے۔ وہ بھی ان کے بغیر ایک پل نہیں رہتی تھیں مگر مجال ہے انہوں نے پاپا کے متعلق کوئی بات بھی ہم سے کی ہو۔ سب دل میں چھپا لیا۔" شابی سنجیدہ سی ہو گئی۔

"اور وہ زیادہ آئی بھی تو نہیں ہیں۔ میری فرینڈ کی بہن کی شادی ہوئی ہے، وہ تو ہر ہفتے میکے میں موجود ہوتی ہیں اور رباب تو صرف چند دفعہ ہی آئی ہیں اور وہ بھی زبیر بھائی کے ساتھ۔ رہنے تو ایک دفعہ بھی نہیں آئیں۔" فضہ نے کہا تھا۔

"وہ دور بھی تو ہے۔" نجمہ نے کمزور سا دفاع کیا۔

"ویزہ تو نہیں لگتا۔" شابی نے جرح کی۔

"ختم کرو بس۔۔۔ خوامخواہ بات کو طول دے رہی ہو، اتنا نہیں کہ آج چھٹی کا دن ہے تو کچن میں ماؤں کا ہاتھ بٹا دیں۔ بیٹیاں جوان ہوتی ہیں تو مائیں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاتی ہیں اور یہاں ابھی تک نوالے منہ میں دینے

پڑتے ہیں۔" سائرہ نے موضوع بدلنے کے لیے انہیں لتاڑ کر رکھ دیا۔

"یہ بات ہے۔" مریم کو جوش آ گیا۔ "اب آپ لوگ یہیں بیٹھیں، آج کھانا ہم لوگ بنائیں گے۔" اس نے ٹوکری اٹھائی اور شابی، فضہ کے ساتھ کچن میں چلی گئی۔ سائرہ نے مسکرا کر نجمہ کو دیکھا۔

"اچھا خوامخواہ ایسی شکل بنا کر مجھے بھی پریشان مت کرو، کسی دن چکر لگا آنا بلکہ فون پر بات کر لو، تمہیں بھی تسلی ہو جائے گی۔"

******

26 ستمبر 2002ء

"آج ممی فون آیا تھا۔۔۔ کیا چیز ہوتی ہیں یہ مائیں بھی۔۔۔ اتنا دور بیٹھ کر بھی پتا چل گیا کہ میں اداس ہوں۔ بار بار پوچھ تھیں، تم خوش ہو نا۔۔۔ میں کہہ ہی نہ سکی۔۔۔ ماں! زندگی کچھ مشکل سی لگنے لگی ہے۔ بس کہہ دیا بہت خوش ہوں۔ آہ۔۔۔ کیسی شفاف آئینے جیسی زندگی تھی۔ مروت اور حسن اخلاق یہی سیکھا تھا ماں سے اور یہاں ہر روز ایک نیا سبق سیکھتی ہوں، روز ایک نیا چیلنج کا لگتا ہے۔

"کیسے کہہ دیتی ماں! تم سے غلطی ہو گئی۔ روایتی ماؤں کی طرح بس یہی دیکھا کہ لڑکا اپنا ہے، اچھی جاب پر ہے۔ بس نہیں دیکھا تو یہ کہ ماحول کتنا مختلف ہے۔ میں یہاں ایڈجسٹ کر پاؤں گی یا نہیں۔ زبیر بہت اچھے ہیں مگر میرے پاس نہیں ہیں۔ تب تو پھپھو ایک ہی بات کہتی تھیں، جہاں زبیر جائے گا، رباب بھی وہیں جائے گی اور ماں! تم بھی ان کی باتوں میں آ گئیں۔ کس ساس کے دل میں اتنی گنجائش ہو گی کہ اپنی بہو کو اتنے عیش کروائے۔ مجھے یہاں رہنا برا نہیں لگتا، یہ میرے زبیر کا گھر ہے مگر مجھے پاؤں بھر زمین بھی تو ملتی۔ میں

تو اس گھر میں اجنبی کی طرح رہتی ہوں، وہ اس گھر کو میرا گھر نہیں بنا سکیں تو مجھے اس گھر کا ایک فرد ہی تسلیم کر لیں۔ مجھے تو یہاں اس بات کی بھی اجازت نہیں کہ اگر میرا انڈا کھانے کو جی چاہتا ہے تو میں اپنے لیے انڈہ ہی بنا لوں۔

یہ گاؤں ہے اور میں حیران ہو ہو کر گاؤں کے لوگوں کی وہی مخصوص سادہ فطرت اور معصومیت ڈھونڈتی ہوں، جس کے بارے میں بہت سنا اور پڑھا تھا۔ یہاں کے لوگ بہت فارغ ہیں اور ہر کوئی طنز کے تیر چلانے کا عادی۔ میرے ہر عمل کو اپنی اپنی ذہنیت کے مطابق پرکھا جاتا ہے۔ میری ہر حرکت پر نظر رکھی جاتی ہے اور پھر آپس میں تذکرے، کھسر پھسر۔

"جھاڑو دیکھی ہے، کس طرح پکڑی ہے۔"

"نمبر داروں کی بہو تو سوئی رہتی ہے۔"

گھڑی بھر کا آرام بھی جرم ہو گیا ہے۔ ایک تپتی دوپہر میں میرا دل پیپسی پینے کو چاہا اور میں نے ایک بچے کے ہاتھ منگوا بھی لی۔ گھڑی بھر میں دس عورتوں نے آ کر پوچھا۔

"کوئی مہمان آیا ہے؟"

"نہیں تو۔"

"ابھی ابھی سوڈے کی بوتل۔۔۔"

"وہ تو خالہ میں نے پینی تھی۔"

اپنے گھر میں دس دس بوتلیں پی جانے والی رباب جب انہیں حیرت سے بتاتی تو ان کی آنکھیں کھل جاتیں اور

ذرا سی دیر میں یہ بوتل پورے گاؤں میں نشر ہو جاتی۔

"نمبر داروں کی بہو۔۔۔ سوڈے کی بوتل۔"

"ہاں بھئی! شہر کی جو ہوئی اور شہر والیوں کے چسکے۔ ورنہ ہوتا کیا ہے ان بوتلوں میں سوائے نری گیس کے، معدے کا بگاڑ۔"

یہ دس روپے کی بوتل تو میرے لیے الزام ہی بن گئی ہے۔ کوئی اور ہوتی تو شاید ایسی باتوں کو خاطر میں بھی نہ لاتی مگر ممی! میں پریشان ہو جاتی ہوں۔ وہ بات ہی چھوڑ دیتی ہوں پھر بھی پتا ہی نہیں چلتا، کب، کہاں، کیا ہو رہا ہے۔ میں کسی سے ہنس کر بات کر لیتی ہوں تو پھپھو کو اعتراض ہوتا ہے۔

"ان کمیوں کو منہ نہیں لگاتے، سر پر چڑھ آتے ہیں۔"

نظر انداز کروں تو لوگ مغرور کہتے ہیں۔

میں ابھی تک پھپھو کی ڈبل کراس والی عادت کو نہیں سمجھ پائی اور وہ رفعت ہے نا، وہ سلیم چچا کی بیٹی، کس مزے سے کہتی ہے۔

"اسی لیے تو میں کہتی ہوں صرف تعلیم ہی کافی نہیں ہوتی۔ تربیت بھی ضروری ہے اور وہ بھی وہ جو ہماری مائیں کرتی ہیں شوہر کو قابو، نندوں کو ٹھکانے لگانے اور ساس کو ناکوں چنے چبوانے کی اور آپ سدا کی بزدل، فوراً" ڈر جانے والی، اسی لیے تو یہ حشر ہو گیا ہے آپ کا۔ جس دن لاہور سے آئی تھیں تو چودھویں کا چاند کی طرح چمکتی تھیں اور اب۔۔۔"

جملہ ادھورا چھوڑ کر وہ مایوسی سے سر ہلانے لگتی ہے۔

میں نے آپ کی تربیت کی لاج رکھنے کی کوشش کی ہے۔اس ماحول کو اپنانا چاہا ہے۔مجھے توے پر روٹیاں پکانی نہیں آتی تھیں مگر میں نے گندم کی کٹائی اور کپاس کی چنائی کے موسم میں بلا مبالغہ سو سو روٹیاں پکائی ہیں۔ ماں! تم میرے ہاتھ دیکھو تو کبھی یقین نہیں کرو کہ یہ تمہاری رباب کے ہاتھ ہیں۔۔۔ماں میری کمر میں بہت درد ہوتا ہے۔۔۔اور۔۔۔اور کوئی نہیں کہتا۔

"رباب ذرا دیر کو آرام کر لو۔"

* * *

صبح ہی صبح نائلہ خالہ کا فون آیا تھا لیکن سب ہی نکل چکے تھے۔ عظیم کو سائرہ بار بار بازار دوڑا رہی تھیں۔اسے آج بطور خاص کالج سے چھٹی کروائی گئی تھی۔ مریم صبح سے کمرے میں بند اپنا چہرہ مختلف کریموں، لوشنوں اور گھریلو ٹوٹکوں سے رگڑ رہی تھی۔شابی کی دوڑ پورے گھر میں لگی ہوئی تھی۔فضہ نے اس موقع پر بہت ضروری ٹیسٹ کا بہانہ بنا کر اپنا کالج جانا ناگزیر ثابت کر دیا تھا۔جانتی تھی گھر میں رہی تو گھن چکر بن جائے گی۔ کم از کم شابی کا تو یہی خیال تھا۔

نجمہ، زریاب اور جنید نے لنچ تک آجانے کا وعدہ کیا تھا۔وجہ مریم کے رشتے کے لیے آنے والے لوگ تھے۔ پسند تو وہ اسے پہلے ہی ایک تقریب میں کر چکے تھے، اب تو باقاعدہ پیام لے کر آرہے تھے۔سائرہ بولائی ہوئی تھیں۔تایا جان سے فون پر بات ہوئی تھی۔انہیں لڑکے اور خاندان کے جملہ کوائف کے بارے میں آگاہ کر دیا تھا۔بظاہر سب تسلی بخش ہی لگتا تھا۔باقی انہوں نے جنید سے بہت تفصیلی بات کی تھی اور دیگر معلومات حاصل کرنے کو کہا تھا اور جنید کے اوکے کرنے کے بعد ہی انہیں گھر آنے کی اجازت ملی تھی، اس لیے سائرہ

چاہتی تھیں، کہیں کوئی کمی نہ رہ جائے۔

اور صبح جب وہ منگوائے جانے والے سامان کی لسٹ بنا رہی تھیں، نائلہ کا فون آگیا۔ریسیو بھی سائرہ نے ہی کیا تھا۔حال چال کے بعد انہوں نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"یہ رومیہ کیسی لڑکی ہے؟"

سائرہ ٹھٹک سی گئیں، پھر سنبھل کر کہا۔

"اچھی لڑکی ہے۔"

"اچھا۔"نائلہ کچھ چپ سی ہو گئیں۔

"کیا بہت خوبصورت ہے؟"

"خوبصورت بھی ہے اور خوبصورتی کو اجاگر کرنے کے تمام گروں سے اچھی طرح آگاہ بھی۔"

"کیا مطلب؟"

"نہیں مطلب کچھ نہیں۔۔۔"سائرہ پھر سنبھلیں، کچھ اندازہ بھی ہو رہا تھا۔وہ کیوں پوچھ رہی ہیں۔انہوں نے مزید کچھ کہنے کے بارے میں سوچا مگر، وہ کوئی برائی کرتیں تو ہو سکتا ہے اسے ان کی جیلسی سمجھا جاتا۔اور بہر حال انہیں اس گھر کی لڑکیوں کی عزت زیادہ عزیز تھی۔

"تم کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"بس یونہی زریاب نے ایک دو بار ذکر کیا تھا۔"

صاف ٹالنے والا انداز تھا۔"میں کچھ دنوں تک پاکستان آنے کا سوچ رہی ہوں۔"

سائرہ مزید کھٹک گئیں، پہلے زریاب کا آنا اور اب اچانک نائلہ خالہ کا پروگرام۔

"بہت خوشی کی بات ہے۔"

انہوں نے چند لمحے ادھر ادھر کی باتوں کے بعد فون رکھ دیا۔ عظیم نجانے کس بات پر جھگڑ رہا تھا، وہ بے خیال میں پلٹ کر دیکھنے لگیں۔

"میرے اچھے سے چھوٹے اور پیارے سے بھائی نہیں ہو، سچی تمہاری باری آئی تو اس سے ڈبل وقت کچن میں لگاؤں گی۔ بس یہ دو چیزیں، سائرہ آنٹی وہ لسٹ کہاں ہے؟"

تیزی سے آگے بڑھ کر اس نے لسٹ پکڑی۔ اس میں دو چار چیزوں کا اضافہ کیا۔ اپنے نام کی طرح شاداب، شگفتہ، سادہ و بے ریا چہرہ۔

"میں پہلے بھی چار چکر لگا چکا ہوں۔"

"بس چار اور۔۔۔ میرا مطلب ہے بس ایک بار۔"

پیار سے اس کی ٹھوڑی چھو کر بولی۔

"نجمہ کو بہت دکھ ہوگا۔" وہ زیر لب بڑبڑائی تھیں۔ پھر بوجھل دل لیے کچن میں آ گئیں۔ دوپہر تک سبھی آ گئے تھے۔ تیاری بھی مکمل تھی۔

"خدا کے لیے اب بس کرو۔ پسند کر چکے ہیں وہ تمہیں۔" کمرے میں آ کر اس نے دہائی دی اور وارڈروب سے بنا دیکھے اک سوٹ گھسیٹ کر باتھ روم میں گھس گئی۔

"پاگل کو کیا پتا ایک تقریب میں پسند کیا تھا۔ اب اگر میک اپ کے بغیر دیکھا تو کہیں انکار ہی نہ کر دیں۔"

مریم نے زیر لب بڑبڑاتے ہوئے لپ اسٹک اٹھائی وہ کپڑے بدل کر آئی اس کے عقب میں کھڑے ہو کر بالوں سے ہینڈ کھینچا اور سلجھانے لگی۔ بالوں کو اونچی سی پونی کی شکل دے کر اطراف میں ایک دو لٹیں نکال کر اس نے بھی لپ اسٹک اٹھانی چاہی، مگر اس کا ہاتھ مریم نے جکڑ لیا۔ اور لگی گھورنے۔

"کیا ہوا؟" وہ حیران پریشان۔

"یا تو تم یہ کپڑے بدلو، یا مہمانوں کے سامنے مت آنا۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔" وہ برا مان گئی۔

"تمہارا نام آنٹی نے بالکل ٹھیک رکھا ہے۔ شاداب۔۔۔ کھلا ہوا گلاب لگ رہی ہو اس سوٹ میں۔ کچھ پتہ نہیں چل رہا کہ کپڑا کہاں سے شروع ہو رہا ہے اور تمہاری جلد کہاں پہ ختم اور تمہیں اس پنک لپ اسٹک کی ضرورت کہاں ہے۔ تمہارے چہرے پر تو اللہ تعالی نے قدرتی رنگ بھرے ہیں۔ آنکھیں شرابی، چہرہ گلابی ہونٹ، سرخ اس پر لباس بھی گلابی۔۔۔"

شابی نے ہنستے ہوئے اسے عقب سے جکڑ لیا۔

"اب جو تمہاری تقدیر میں لکھا ہے اسے میں تو نہیں چھین سکتی، ورنہ جس تقریب میں انہوں نے تمہیں دیکھا وہاں میں بھی موجود تھی۔"

"اس کے باوجود میں نہیں چاہتی ان کا ارادہ بدل جائے۔" مریم نے اسے بازو سے پکڑ کر باہر نکال کر دروازہ بند کر دیا۔

"توبہ ہے آج تو تمہارے مزاج ہی نہیں مل رہے۔ میں دیکھ لوں گی تمہیں مریم۔"

وہ چیختی اور تیز تیز سیڑھیاں اترنے لگی۔ مگر آخری سیڑھی پر اس نے بروقت بریک لگائی۔ زریاب اچانک ہی سامنے آیا تھا۔

"گڈ! زندگی میں پہلی بار تم نے عین وقت پر بریک لگائی ہے۔" فضہ نے داد دی، زریاب نے شاید پہلی بار اسے اتنے قریب سے دیکھا تھا۔ لبوں پر جمی مخروطی گلابی انگلیاں بڑی بڑی آنکھوں پر لرزاں لمبی گھنی پلکیں، شفاف چہرے کا سرخ ہوتا رنگ ہلکی سی گھبراہٹ و سراسیمگی۔

زریاب نے پیچھے ہٹ کر اسے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ تیزی سے نکلی اور وہ لاؤنج کے صوفے پر گرنے والے انداز میں بیٹھ گئی۔ پسینہ آیا تھا یا نہیں۔ وہ خوامخواہ ہی نیٹ کے دوپٹے سے چہرہ صاف کرنے لگی۔ ہاتھ پاؤں میں سنسناہٹ سی تھی۔ فضہ نے نجانے کیا پوچھا تھا، اسے سنبھلنے میں تھوڑا وقت لگا۔

"نجانے یہ مہمان کہاں رہ گئے۔ لنچ کے بجائے ڈنر کا ارادہ لگتا ہے۔" سائرہ بڑبڑانے لگیں۔

"آجائیں گے، ابھی اتنی دیر بھی نہیں ہوئی۔" نجمہ مسکرائیں۔ دونوں باہر نکل گئی تھیں۔

تب ہی زریاب آیا اور ساتھ والے صوفے پر بیٹھ کر فون پر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ شاداب کو پھر سے وہی گھبراہٹ گھیرنے لگی۔ وہ وہاں سے اٹھنے کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی۔ جب عظیم بھاگا آیا۔

"وہ لوگ آگئے ہیں۔"

زریاب نے ریسیور رکھ دیا۔

شابی تیزی سے اٹھ کر لپکی، اس کا نیٹ کا دوپٹہ سائیڈ پر پڑے مصنوعی ادھ کھلے گلابوں میں پھنس گیا۔ گلدان تو

وہیں لڑھکا۔ لیکن اس کا آنچل سارے گلاب سمیٹ لے گیا۔ جو سیدھا اٹھتے زریاب کے کندھے سے ٹکرائے۔ زریاب نے جھنجھلا کر اسے پکڑا، دوپٹہ کھینچا تو اسے احساس ہوا، دوپٹہ پھسلنے

کے خیال سے وہ ایکدم سے اس کے پاس بیٹھی تھی۔

"تمہارا سب سے پہلے جانا بہت ضروری ہے۔" وہ بگڑ کر بولا۔

"آپ کو کیا ہے؟"

"یہ کس کے لیے لے جا رہی ہو۔" اس نے گلدستہ اس کی گود میں پھینکا، وہ خجل سی ہو کر آنچل چھڑانے لگی۔

زریاب باہر نکل گیا تو عظیم نے فوراً اپنا رکا ہوا قہقہہ آزاد کیا۔

"واہ، کیا انداز تھا پھول پیش کرنے کا۔ بس زمانے کا فرق ہے۔ پہلے تازہ گلاب دیے جاتے تھے اب۔۔۔" شابی نے جھنجھلا کر سارے گلاب اسے دے مارے۔ اور خود پاؤں پٹختی باہر نکل گئی۔

"کوئی پھولوں سے نہ مارے میرے دیوانے کو۔" گنگناتا ہوا وہ پھول گلدان میں لگانے لگا۔

"عظیم! کون کون آیا ہے۔" فضہ نے آکر اشتیاق سے پوچھا۔

"اپنے نعمان بھائی کے والدین، ان کی بھابھی بہن۔"

"بہن بھی ہے۔" فضہ کو ہم عمر لوگوں سے دوستیاں گاڑنے کا کریز تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" عظیم نے اسے روکا۔ "وہ تمہاری ایج کی نہیں ہے۔"

"تو پھر۔" وہ چڑ گئی۔

"پھر یہ کہ وہ میری ایج کی ہیں۔" اس نے کالر کھڑا کیا اور یہ جا وہ جا۔

* * *

صبح سے اس کی حرکتیں مشکوک سی ہو گئی تھیں۔ اپنا سوٹ استری کرنے کے بجائے اس نے فضہ کا سوٹ استری کر دیا تھا۔ اور جب مارے حیرت نے فضہ نے ہکلاتے ہوئے اس کی غلطی کی نشاندہی کی تو وہ بجائے اس پر بحث کرنے کے کہ اب فضہ اس کا سوٹ استری کرے مسکرا کر سوٹ فضہ کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔ سائرہ کی چائے میں چار چمچے چینی ملا دی۔ اور نجمہ کو پھیکی چائے دے دی۔ ابلے ہوئے انڈوں کے بجائے ناشتے پر کچے انڈے رکھ کر لے آئی۔ زریاب کے ساتھ باتوں میں مگن جنید نے انڈا ہاتھ میں لے کر چھری سے ضرب لگائی تو انڈا اس کے ہاتھوں میں بھگو کر پلیٹ میں بکھر گیا اس کی ڈانٹ بھی سر جھکا کر خاموشی سے سن لی۔ اور اب رومیہ کی پارٹی میں جانے کے لیے بھی وہ خوشی خوشی راضی ہو گئی۔

وہ دونوں سر جوڑے اسی مسئلے پر غور کر رہی تھیں۔ مریم کے ہاتھ میں لپ اسٹک تھی۔ وہ اپنے سوٹ کے ہم رنگ شیڈ چیک کر رہی تھی۔ فضہ نیل پالش نکال رہی تھی، جب وہ کپڑے بدل کر آئی اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر خاموشی سے بال سلجھانے لگی۔

فضہ نے مریم کو کہنی ماری۔

"اس سے پوچھو۔"

مریم نے اس کے قریب آ کر پیار سے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"شابی! کیا ہوا؟"

"کسے۔۔۔؟" وہ چونکی۔

"تمہیں، طبعیت تو ٹھیک ہے۔" بے حد تشویش سے دریافت کیا گیا۔

"میری طبعیت تو بالکل ٹھیک ہے۔"

"تو پھر صبح سے اتنی مشکوک حرکتیں کیوں کر رہی ہو۔" فضہ نے لقمہ دیا۔

"کیسی حرکتیں۔۔۔؟" اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"دیکھو۔۔۔ دیکھو ذرا اس کو پہلے یہ اتنی متانت سے مسکرائی تھی۔ اس کا قہقہہ تو چھت پھاڑتا تھا۔"

"لڑکیوں کو اسی طرح مسکرانا چاہیئے۔"

"کچھ یاد تو پڑتا ہے یہ مقولہ کس کا تھا۔" فضہ نے دماغ پر زور دیا۔

"فضہ! مریم! دراصل مجھے، مجھے محبت ہو گئی ہے۔" اس نے ایک دم انکشاف کیا۔ وہ دونوں اسے گھورتی رہ گئیں۔ پھر مریم نے ناامیدی سے سر ہلایا۔

"تمہیں نزلہ، زکام، کھانسی کچھ بھی ہو سکتا ہے مگر محبت، نو وے۔۔۔"

"مگر مجھے محبت ہوئی ہے۔"

"اچھا کب ہوا یہ حادثہ؟"

"کل گیارہ بج کر دس منٹ پر۔"

"کیا صبح گیارہ بجے تو تم مہمانوں کے پاس تھیں اور رات کو گیارہ بجے ہم جنید کے کمرے میں فلم دیکھ رہے تھے۔ کہیں سلویسٹر اسٹالون سے تو نہیں ہو گئی۔"

"دماغ خراب ہے تمہارا؟"

"تو پھر۔۔۔" فضہ نے کنپٹی بجائے پھر پر جوش ہو کر چلائی۔

"کہیں تمہیں جنید بھائی سے تو محبت نہیں ہو گئی۔ وہاں کارنس پر ان کی اتنی بڑی اور خوبصورت تصویر سجی تھی۔ اور تم بار بار تصویر دیکھ بھی رہی تھیں۔

"وہ تصویر۔۔۔" جیسے منہ میں کونین ہو اور اتنی ہی شکنیں ماتھے پر۔

"تم پانچ منٹ میں نیچے آسکتی ہو تو ٹھیک ہے ورنہ ہم لوگ جا رہے ہیں۔"

نیچے سے جنید کی تنبیہہ سنائی دی۔

"دیکھا۔۔۔" اس نے منہ بنایا تو مریم چڑ گئی۔

تو جلدی بکو، کس سے محبت ہو گئی ہے تمہیں۔"

"زریاب مرتضٰی ہمدانی۔"

مریم کا لپ اسٹک لگاتا ہاتھ بھٹکا۔ اور ہونٹوں سے ہو کر گال پر پہنچ گیا۔ فضہ کے ہاتھ سے نیل پالش چھوٹی اور قالین پر جا پڑی۔ وہ دونوں ساکت کھڑی اسے گھور رہی تھیں۔

"کیا ہوا؟"

مریم کے ساکت وجود میں جنبش ہوئی۔

"تم پاگل تو نہیں ہو گئیں۔"

"ہو تو گئی ہوں۔"

"لگ بھی رہا ہے یقیناً تم ہوش میں نہیں ورنہ یہ کبھی نہ کہتیں۔"

"میں پورے ہوش و حواس میں کہہ رہی ہوں۔"

وہ ڈٹی ہوئی تھی۔

"فضہ! چلو دعائے مغفرت کریں۔"

"کیا بکواس ہے۔"

"نہ یہ بتاؤ۔" اس کے کندھے میں انگلیاں چبھوتے ہوئے فضہ نے غصے سے کہا۔ "آخر جنید میں کیا کمی تھی اور زریاب میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں۔ ایک سے ہیں دونوں۔ جنید کی اگر تیوریاں چڑھتی رہتی ہیں تو زریاب کے چہرے پر سنجیدگی چھائی رہتی ہے۔ مسکرانا دونوں کے لیے گناہ ہے اور لڑکوں کو دونوں ہی بے وقوف مخلوق تصور کرتے ہیں۔ تو پھر جنید کیوں نہیں اور یہ زریاب کیوں بولو، زریاب کیوں؟"

سب ہی خواہش تھی کہ جنید اور شابی کی شادی ہو جائے مگر نہ جنید راضی ہوتا اور نہ شابی۔

"یہ تو دل کا معاملہ ہے فضہ بی بی۔"

"جو بندہ پورے پندرہ منٹ میں ناشتہ کرتا ہو۔ نہ ایک منٹ سے زیادہ نہ کم جس کے اٹھنے بیٹھنے سونے جاگنے کا وقت مقرر ہو اس سے محبت کرنے چلی ہو۔ لمحہ لمحہ کیلکولیٹ کرنے والا بندہ ہے گھڑی سامنے رکھ کر کہے گا۔ "میرے پاس صرف پانچ منٹ ہیں۔ کوئی پیار کی بات کرنی ہے تو کر لو۔" فضہ کو غصہ ہی آگیا تھا۔

"منٹ سے یاد آیا، یہ گیارہ بج کر پندرہ منٹ کا کیا چکر ہے۔" مریم نے پوچھا۔

"شاید اس وقت میں نے انہیں غور سے دیکھ لیا تھا بس پتھر کی ہو گئی۔" اس نے قبل کہ انہیں تفصیل سناتی۔ پورچ سے گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔

"مارے گئے۔" مریم نے گال رگڑا، فضہ نے اپنے سر پر اگے گھونسلے کو دو چار ہاتھ مارے۔ شابی نے سینڈل ہاتھ میں لے کر نیچے دوڑ لگا دی۔ جنید کی گاڑی سائرہ اور نجمہ کو لے کر نکل گئی تھی۔ زریاب اور

عظیم کھڑے گاڑی کے پاس باتیں کر رہے تھے۔

"لگتا ہے جنید پر بھی زریاب کا اثر ہو گیا ہے۔ دو منٹ بھی دینے کو تیار نہ ہوا۔"

مریم نے چڑ کر کہا۔ وہ تینوں پچھلی سیٹ پر سما گئیں۔ زریاب ڈرائیونگ سیٹ پر اور عظیم اس کے ساتھ تھا۔ انہوں نے باقی میک اپ ایک دوسرے کے عقب میں ہو کر پورا کیا، گاڑی تیزی سے سڑک پر بھاگنے لگی، رات ڈھل گئی تھی اور سڑکوں کی رونق میں اضافہ ہو گیا تھا۔ گویا پورا لاہور سڑکوں پر نکل آیا تھا۔ جلتے بجھتے نیون سائن، سڑکوں پر لگی روشنیاں انہیں دیکھ کر مسکراتی تھیں۔ اس نے نظروں کا زاویہ بدل کر زریاب کو دیکھا۔ اسٹیئرنگ پر جمے ہاتھوں، کلائی پر بندھی ریسٹ واچ سے ہو کر نگاہ اس کے چہرے پر جم گئی۔ چہرے پر چھائی سنجیدگی آمیز متانت، لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ نجانے وہ ہمیشہ تنہا کیوں مسکراتا تھا۔ شابی کو اس ہوا سے حسد سا محسوس ہوا جو بار بار اس کے جمے جمائے بالوں کو پیشانی پر بکھیر کر رکھ دیتی تھی۔

"بدتمیز۔"

"ہیں۔۔۔ میں نے کیا کہا ہے۔" فضہ برا مان گئی۔

سارے ہیر اسٹائل کا ستیاناس مار دیا۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔ نظروں کا زاویہ اب بھی نہ بدلا تھا۔

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔" فضہ اس کے لیے پریشان ہو گئی۔ تب ہی زریاب نے بیک مرر عین اسی پر سیٹ کیا۔ (غالباً! گھورنے کے لیے)

شابی نے جو گھبرا کر سر جھکایا تو پھر سارا رستہ نہ اٹھایا تھا۔

احسن انکل کے ہاں تمام مہمان آ گئے تھے۔ رومیہ سیاہ بارڈر والی خوبصورت ساڑھی پہنے، سہج سہج قدم اٹھاتی ایک ایک مہمان سے مل رہی تھی۔ آج تو اس کی چھب ہی نرالی تھی۔ یہ پارٹی اس کے ڈاکٹر بننے کی خوشی میں دی گئی تھی۔

"ماسیوں والے حلیے میں اٹھ کر آ گئی ہو۔ کوئی ڈھنگ کا سوٹ نہ ملا تھا تمہیں۔" فضہ کو رومیہ کے مقابلے میں شابی ذرا مدھم لگی تھی۔

"ٹھیک ہوں میں۔"

"ہائے زریاب۔"

"اللہ کرے جوتے کی ہیل نکل جائے، نجانے دماغ کمزور ہے یا نظر اتنے سارے لوگوں میں زریاب ہی نظر آئے۔" شابی کلس کر رہ گئی۔

رومیہ لپک کر زریاب کے قریب آئی، کس قدر وارفتگی تھی اس کے انداز میں۔ شابی ٹھٹک گئی۔ پھر زریاب کے ہونٹوں پر اک بھرپور اور جاندار مسکراہٹ دیکھی۔

"اسٹوپڈ، لپکی تو یوں ہے جیسے گلے ہی آ لگے گی۔"

دوسرے پل زریاب کے مضبوط ہاتھ میں اس کا نازک سا ہاتھ تھا۔ اس پر قیامت یہ کہ زریاب نے مبارکباد دیتے ہوئے اس کا ہاتھ چھوڑا بھی نہ تھا۔ مارے غصے کے وہ فضہ کا ہاتھ مروڑ گئی۔۔۔ ہائے۔۔۔ اوئی۔ کی آواز پر ان دونوں نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ ہاتھوں پر گویا گوند لگی تھی۔

مریم جلدی سے آگے بڑھ کر مبارکباد دینے لگی۔

"تھینکس۔۔۔"اک ادا،اک ناز سے مسکرائی تھی وہ۔

شابی کو اس کے بناوٹ بھرے انداز پر غصہ سا آگیا۔اس سے قبل کہ وہ ان کے قریب سے گزر کر ممی کی طرف چلی جاتی۔اچانک زریاب کی گرفت میں اس کی کلائی آگئی۔ایک ہلکے سے جھٹکے سے لڑکھڑا کر واپس اپنی جگہ پر آئی۔ تحیر سے سر اٹھا کر زریاب کو دیکھا۔

"تم نے رومیہ کو مبارکباد نہین دی شابی!"اس کے لہجے میں غیر محسوس سی اپنائیت در آئی تھی۔جو شابی محسوس نہ کر پائی۔ایک جھٹکے سے کلائی چھڑائی۔

"آپ کو کیا ہے؟"لہجہ سخت بگڑا ہوا تھا۔"اور مجھے رومیہ سمجھنے کی غلطی مت کیجئے۔"

اتنے لوگوں میں زریاب کی یہ حرکت سخت بری لگی تھی۔ مگر اسے یہ خبر نہیں تھی کہ اپنے ایک ہی جملے سے اس نے زریاب کی کتنی انسلٹ کی تھی۔پتا ہوتا تو بھنگڑا ڈال رہی ہوتی کہ وہ ادھار رکھنے کی قائل نہ تھی۔اور اس کے تئیں زریاب کی طرف اس کے

ہت سے حساب نکلتے تھے۔ جنہیں بے باک کرنے کی خواہش بہت عرصے سے اس کے دل میں تھی۔مریم اور فضہ ہکا بکا رہ گئی تھیں۔جب کہ وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی۔وہ دونوں بھی پیچھے لپکیں۔

"عجیب سے انداز ہیں اس کے بہت روڈ اور۔۔۔"

رومیہ نے نخوت سے کہتے ہوئے زریاب کی طرف دیکھا۔جس کے چہرے کے کسی تاثر میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی ایک ہلکی سی مسکراہٹ اب بھی اس کے لبوں کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔

"ہاں مگر۔۔۔یہ خفا ہونے والی بات تو نہ تھی۔"

زریاب محض کندھے اچکا کر رہ گیا۔

"شاید تم دونوں میں کچھ زیادہ انڈر اسٹیڈنگ نہیں ہے۔"رومیہ کے لہجے میں ہلکی سی جلن اور حسد محسوس ہو رہا تھا۔

"نہیں ہے تو ہو جائے گی۔"

وہ کہہ کر معذرت کرتا آگے بڑھ گیا۔رومیہ لب بھینچے اسے جاتا دیکھتی رہی۔ کھانا لگ گیا تھا۔سب ہی مہمان ڈائنگ ہال کی طرف جانے لگے تھے۔شابی کا کچھ کھانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ مگر سب کے سوالوں سے بچنے کے لیے چکن کا ایک پیس اور ذرا سا سلاد لے کر کونے میں آگئی۔

"خوامخواہ میں زریاب کو خفا کر دیا،وہ تو پہلے ہی مجھے یوں دیکھتے ہیں جیسے تھانیدار کسی چور کو یا قصائی چھرا پھیرنے سے قبل گائے کو دیکھتا ہے لیکن نہیں،یہ گائے اور چور کی تشبیہات مجھ جیسی خوبصورت لڑکی کے لیے تو ہرگز مناسب نہیں۔"کھیرے کا ٹکرا ہاتھ میں لے کر سوچا۔

"بہت خوشی ہو رہی ہے رومیہ کے سامنے میری بے عزتی کر کے۔"

شابی نے کھیرے سے نظر اٹھا کر زریاب کو دیکھا۔

"آپ کو اپنی بے عزتی پر افسوس ہے یا رومیہ کے سامنے ہونے پر۔"

وہ خاموشی سے اس پر نظریں جمائے کھڑا رہا۔

شابی کو الجھن سی ہونے لگی۔

"جو تمہارے دل میں ہے اگر چھپا نہیں پا رہی ہو تو۔۔۔"

"جو میرے دل میں ہے۔" شابی کی آواز ایک پل کو بلند ہوئی پھر ایک دم مدھم ہوئی تھی۔ "جو میرے دل میں ہے، اس سے آپ کو کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیئے۔ ویسے بھی میرے اندر رومیہ کی طرح دوغلہ پن نہیں ہے۔"

"رومیہ کے ساتھ اپنا مقابلہ کیوں کرتی ہو، اس کا اور تمہارا کیا مقابلہ۔" اس کی جانچتی نظریں اب بھی شابی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"ہاں اس کا اور میرا کیا مقابلہ۔ مجھے اس کی طرح گیم کھلینا نہیں آتا۔"

"گویا تم خود کو بہت سادہ اور معصوم تصور کرتی ہو۔"

"آپ بے وقوف بھی کہہ سکتے ہیں، کیونکہ ایسے لوگ نہ کو کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ تکلیف دے سکتے ہیں۔ ایکسکیوزمی! مجھے مریم بلا رہی ہے۔"

وہ کترا کر نکل گئی۔ زریاب کو کسی اور نے متوجہ کر لیا تھا۔ سارے فنکشن میں وہ چپ چپ ہی رہی تھی۔ پارٹی کے اختتام پر جب سب لوگ رخصت ہو رہے تھے اور رخصت ہونے والوں میں آخری مہمان بھی وہی تھے۔ رومیہ نے شکوہ کیا۔

"تم نے مجھے گفٹ ہی نہیں دیا۔"

"گفٹ تو تمہاری پسند اور مرضی کا ہونا چاہیئے، یونہی کیسے لے آتا۔" زریاب نے جواب دیا۔

"دیکھ لو رومیہ! کوئی ایسی ویسی چیز پسند نہیں کرتی۔" اس کی ممانے ہنستے ہوئے کہا۔

"اسے کرنی بھی نہیں چاہیئے۔" زریاب نے ایک بھرپور نگاہ رومیہ پر ڈالی۔ وہ ناز سے مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ بھی بڑی عجیب سی ہوتی۔ سرگوشی کرتی، اپنی طرف کھینچتی، کچھ دعوت دیتی ہوئی۔

"اور مجھے کیا آپ نے اتنا ہی کنگال سمجھ رکھا ہے کہ رومیہ کو اس کی پسند کا گفٹ بھی نہ دلا سکوں۔"

"تو پھر کسی دن مجھے ڈنر پر لے چلو۔"

"بس۔" نجانے زریاب کیوں اتنا فری ہو رہا تھا، یہ اس کی فطرت تھی نہ عادت۔ نجمہ اور سائرہ ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

"فی الحال بس۔" رومیہ کھلکھلائی۔

گاڑی کا دروازہ دھاڑ سے بند ہوا تھا۔ سب کے ساتھ ساتھ زریاب نے بھی پلٹ کر دیکھا اور بے اختیار مسکرا دیا۔ وہ منہ پھیلائے گاڑی میں جا بیٹھی تھی۔

****

"تم نے اتنے سارے لوگوں کے سامنے زریاب بھائی کی بے عزتی کر دی۔" فضہ کو اب تک اس کی جرات پر حیرت ہو رہی تھی۔ اپنی ناک سے پھسلتی عینک کو واپس جماتے ہوئے وہ بار بار یہ جملہ دہرا رہی تھی۔

"بہت اچھا کیا، وہ ڈیزرو کرتا ہے۔ کس نے کہا تھا اتنے سارے لوگوں کے سامنے میرا بازو کھینچیں۔"

"اور وہ تمہاری محبت۔" مریم نے انڈے پھینٹتے ہوئے پلٹ کر دیکھا۔ چھٹی کا دن تھا، سو ناشتہ وہی بنا رہی تھی۔

"محبت کا مطلب یہ تو نہیں کہ عزت نفس بھی داؤ پر لگا دی جائے۔"

"ویری گڈ۔" مریم نے سراہا۔

"مگر تم اتنی نیرو مائنڈڈ لگتی تو نہیں ہو اپنی فلموں میں بھی ایسا نہیں ہوتا۔ ہیرو نے ذرا سا جھٹکا دیا نہیں اور ہیروئن صاحبہ لڑکھڑا کر سینے سے لگیں نہیں۔ اب دکھایا یہ جاتا ہے کہ اتفاقی حرکت ہے مگر لگتا یوں ہے کہ برسوں کی حسرت تھی کہ کئی لمحوں تک محترمہ کو پیچھے ہٹنے کو خیال بھی نہیں آتا اور اس کے بعد دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے اندر کو بھاگتی ہے اور تم۔۔۔" فضہ نے افسوس سے سر ہلایا۔

"محبت ایک بے اختیار جذبہ سہی، کہیں بھی ہو سکتی ہے اور کسی سے بھی مگر اس کے بعد ایک مرحلوں پر، اپنے جذبوں پر بند تو باندھا جا سکتا ہے، نہ کہ اسے حاصل کرنے کے لیے شتر بے مہار ہو جائیں، گھٹیا ہتھکنڈے استعمال کرنے لگیں۔ ایک بات ہمیشہ یاد رکھو، مرد کتنا بھی ایڈوانس ہو جائے، اشارے کنائے میں دعوت دینے والی اور اپنی طرف بڑھنے والی عورت کو نچلے درجے کی عورت ہی سمجھتا ہے۔"

"رومیہ کی طرح۔" فضہ نے کہا۔

"ہمیں رومیہ کے لیے اتنے سخت الفاظ استعمال نہیں کرنے چاہئیں، وہ صرف بولڈ ہے۔" شابی نے احتجاج کیا۔

"لیکن یہ بھی طے ہے کہ اس کی اس بولڈنیس کو پورے خاندان میں کہیں بھی اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ وہ پہلے جنید کی طرف مائل تھی۔ بھلے وہ صرف دوستی ہو مگر ہم جن حدود و قیود میں پرورش پاتے ہیں، وہاں اس دوستی کی بھی کوئی گنجائش نہیں اور تم نے دیکھا نہیں جنید نے کبھی اسے لفٹ نہیں کروائی اور نہ وہ رومیہ کے ہمارے ساتھ تعلقات کو کبھی پسند کرتا ہے۔"

"اس مغرور حسینہ کے ساتھ دوستی کرنے کا ہمیں بھی کوئی شوق نہیں لیکن الزام صرف رومیہ کو نہیں دیا جا سکتا اور دیکھا تھا، پورے دو منٹ دس سکینڈ تک زریاب نے اس کا ہاتھ تھامے رکھا تھا۔" شابی جل کر بولی۔

"اچھا تو تمہارے غصے کہ وجہ یہ تھی۔" مریم مسکرائی۔

"تو نہیں آنا چاہیئے تھا۔ رومیہ کو مبارکباد نہیں دی۔" اس نے نقل اتاری۔ "وہ محترمہ بھی یوں اٹھلا اٹھلا کر باتیں کر رہی تھیں جیسے دنیا کی واحد ڈاکٹر ہیں۔ حالانکہ سب جانتے ہیں، اسے میڈیکل میں ایڈمیشن اس کے پاپا کی سفارش سے ملا تھا۔"

وہ جھنجلا کر ماچس اٹھا کر پلٹی۔ دوسرے پل ہاتھ میں پکڑی ماچس زمین پر جا پڑی تھی۔ ساری اکڑفوں رخصتی ہو گئی۔ شرمندگی کے گہرے سمندر میں غوطے کھاتے ہوئے اسی میں ڈوب مرنے کو دل بھی چاہا۔

"کیا آج ناشتہ نہیں ملے گا۔" زریاب واحد بندہ تھا جو چھٹی کے دن بھی ناشتہ وقت پر کرتا تھا، اس کی آواز پر باقی دونوں بھی پلٹیں۔

"ناشتہ۔"

"بس ابھی تیار ہو جائے گا۔" مریم نے تیزی سے ہاتھ چلائے، فضہ فریج سے جیم وغیرہ نکالنے لگی۔ وہ ابھی تک گری ہوئی ماچس پر نظریں جمائے کھڑی تھی۔

"اٹھا لیں اب۔" زریاب نے کہا۔

وہ بت بنی یہی سوچتی رہی کہ کس جملے پر زریاب کی آمد ہوئی اور اس جملے سے پہلے کتنے جملے گزر چکے تھے۔

"پارٹی میں تمہارا ہاتھ پکڑنا ایک بالکل غیر ارادی حرکت تھی، ورنہ مجھے کوئی شوق نہیں ہے تمہارا ہاتھ تھامنے کا۔"

بے عزتی ہوئی تھی یاد کھ، آں کھیں لبالب بھر آئی تھیں۔

"یہ سمجھتے کیا ہیں خود کو۔" زریاب کے جانے کے بعد وہ چیخی۔

"آہستہ بولو۔" مریم نے فضہ کو ناشتے کی ٹرے دے کر دوڑایا۔

"میرا ہاتھ تھامنے کا کوئی شوق نہیں، میں بھی مری نہیں جا رہی۔ جائیں تھام لیں اس رومیہ کا ہاتھ۔" وہ تن فن کرتی کچن سے غائب ہو گئی۔ مریم سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"تم کیوں سر پکڑے بیٹھی ہو۔" فضہ نے حیرت سے پوچھا۔ "اور یہ محترمہ کہاں ہیں؟"

"رو رہی ہو گی اپنے کمرے میں۔"

"تمہیں کیا لگتا ہے مریم! زریاب اور شابی کی انڈر اسٹینڈنگ ہو سکتی ہے۔" فضہ نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا تھا۔

"کون جانے۔ ایک مشرق ہے، دوسرا مغرب اور درمیان میں رومیہ۔" وہ خود پریشان ہو گئی تھی۔

****

12 اکتوبر 2002ء

آج مریم کی منگنی ہے۔۔۔ مریم کی منگنی۔۔۔ میری بہنوں جیسی دوست اور کزن جس کی خوشی میں شرکت کے بجائے میں یہاں بیٹھی ہوں۔ پھپھو کی شوگر ہائی ہو گئی تھی، اس لیے میں جا ہی نہ سکی لیکن لمحہ لمحہ دھیان

بھٹک بھٹک کر ادھر ہی جاتا رہا۔۔۔ اب مہمان آئے ہوں گے، اب انگوٹھی پہنائی گئی ہو گی۔۔۔ مریم کے چہرے کا رنگ کیسا ہو گا۔۔۔ شابی اور فضہ نے مل کر اودھم مچا رکھا ہو گا۔ شام کو پھپھو کی طبیعت ذرا سنبھلی تو وہ چچا سلیم کے ہاں چلی گئیں۔ میں خاموشی سے صحن میں بیٹھی اور چپ چاپ بیل پر کھلے پھولوں کو دیکھتی اور اس آنگن کی رونق کا تصور کر کے دل بہلاتی رہی، تب ہی رفعت آ گئی۔

"سارا دن گھر بیٹھی بیٹھی بور نہیں ہوتیں آپ! کبھی ہماری طرف ہی چکر لگا لیا کیجئے۔" وہ پاس آ بیٹھی۔

"آتی تو ہوں۔"

"مہینہ مہینہ گزر جاتا ہے۔"

"روز روز آنا اچھا بھی تو نہیں لگتا۔"

"اچھا۔" وہ زور ہنسی پھر غور سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"یہ فرمان ہماری تائی جان کا ہو گا۔"

میں خاموش رہی۔ تردید کا فائدہ بھی کیا ہوتا، وہ اپنی تائی کو مجھ سے بہتر جانتی تھی۔

"بہت اداس اور چپ چپ ہیں۔"

"نہیں تو۔"

"زبیر بھائی نے بہت دن لگا دیے اس دفعہ۔"

"ہاں بہت دن ہوئے، فون بھی تو نہیں کیا۔"

"فون۔۔۔فون تو دوبارہ آیا تھا،تائی جان سے بات بھی ہوئی تھی۔"

"زیبر کا۔۔۔؟"میں پوری کی پوری اس کی طرف گھوم گئی۔

"زبیر بھائی کا ہی آیا تھا،تائی جان نے دونوں بار کہہ دیا۔آپ سوئی ہوئی ہیں۔"اس نے بتایا۔

"سوئی تھی،مر تو نہ گئی تھی جو اٹھ نہ سکتی۔"پہلی بار مجھے اس شدت کا غصہ آیا۔اس گھر میں ایسا کوئی وقت مجھے نصیب ہی کہاں ہوا تھا کہ میں ڈھنگ سے سو سکتی۔

میں پھپھو سے پوچھے بنا رہ ہی نہ سکی،وہ بھڑک اٹھیں۔

"میرے بیٹے کا ٹیلی فون تھا،میں نے سن لیا تو کیا قیامت آگئی۔"

"آپ مجھ سے بھی تو بات کروا سکتی تھیں۔"

"میں تمہاری نوکر نہیں لگی ہوں کہ بلانے بھاگوں مہارانی کو۔"

"آپ کو بھی تو کوئی بلانے آیا ہوگا۔"

"زیادہ زبان نہ چلا میرے سامنے۔۔۔منہ توڑ کر رکھ دوں گی۔۔۔ایسی بے دید،بے لحاظ ہے تو۔۔۔کوئی تمیز نہ سکھائی ماں نے۔۔۔بس یہ بال کٹوانا اور چٹک مٹک کر باتیں کرنا سکھایا ہے۔۔۔یہ میرا گھر ہے اور ادھر وہی ہوگا جو میں چاہوں گی۔"

"یا اللہ!اس سے بہتر تو ان کی چپ تھی۔"میں نے کمرے کی چٹخنی چڑھالی۔

جو کچھ وہ کہہ رہی تھیں،اسے سننے کی مجھ میں تاب نہ تھی۔

****

نائلہ خالہ بالکل بغیر اطلاع کے پاکستان پہنچی تھیں،سب ہی حیران تھے،حتی کہ زریاب بھی۔

"تو آپ کو واقعی یہ لگا کہ میں بے وقوف ہوں۔"

زریاب کے لہجے میں ہلکی سی خفگی در آئی تھی۔اس کی آواز بے حد مدہم تھی۔نائلہ خالہ نے مسکرا کر بیٹے کو دیکھا۔

"کبھی کبھی بہت عقل والے بھی ٹھوکر کھا سکتے ہیں۔"

"مجھے اپنے بارے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار اور حق حاصل ہے۔"

"سارے اختیار،سارے حق تمہارے ہی ہیں مگر رہنمائی کی ضرورت تو پڑ سکتی ہے۔"انہوں نے مسکرا کر کولڈ ڈرنکس لے کر آتی شاداب کو دیکھا۔

"بچہ نہیں ہوں میں۔"زریاب کی پیشانی پر شکنیں سی نمودار ہوئیں۔

"ڈونٹ وری۔تم پر اپنا فیصلہ مسلط کرنے نہیں آئی ہوں۔۔۔ہاں ایک اچھا فیصلہ کرنے میں مدد ضرور کروں گی۔"

زریاب اٹھ گیا۔

"اور شابی بیٹا!آپ کیا کر رہی ہو آج کل۔"وہ اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"آج کل تو سائرہ آنٹی کے زیر عتاب ہوں۔یہ مجھے مکمل باورچن بنانے کے لیے ہر حربہ آزما رہی ہیں۔"

"اچھا تو ان کے حربے کہاں تک کامیاب ہوئے۔"انہوں نے بے حد دلچسپی سے اس کے بے ساختہ انداز کو دیکھا۔

"یہ تو آپ کو ڈنر پر پتا چلے گا۔"

"گویا ہماری بیٹی نے کھانا پکایا ہے۔"

"ں میں، ہم تینوں نے مل کر۔" شابی نے صاف گوئی سے اعتراف کیا پھر سائرہ کے پکارنے پر اٹھ گئی تو وہ نجمہ کی طرف دیکھ کر ہنس دیں۔

"اس عمر میں تم بھی بالکل ایسی ہی ہوتی تھیں۔۔۔ مگر یہ تم نے حال کیا کیا ہے اپنا۔" نجمہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر انہوں نے غور سے دیکھا۔ وہ چھوٹی تھیں نائلہ سے مگر کئی برس بڑی لگ رہی تھیں۔

"بس وقت گزر گیا ہے۔"

اور وقت دونوں کی آنکھوں میں نمی بن کر پھیل گیا۔ وہ دونوں بہنیں ہی تو تھیں، بھائی کوئی تھا نہیں پھر والدین بھی نہ رہے۔ نائلہ بیاہ کر سات سمندر پار جا بسیں۔

"شابی اور رباب کو دیکھتی تھی تو ہمیشہ وہ وقت آنکھوں میں گھوم جاتا تھا جو ہم دونوں نے مل کر گزارا۔"

"ہاں کتنا کچھ بدل جاتا ہے۔"

دونوں بند کمرے میں نجانے کون کون سی باتیں کر کے، کبھی ہنستی تھیں تو کبھی روتیں۔

"آخر یہ کون سی باتیں ہیں جو ختم ہونے میں ہی نہیں آتیں۔" شابی دو دن میں ہی اکتا گئی تھی۔ "ممی سے بات کرنے کو ترس گئی ہوں میں۔" ناشپاتی کھاتے کھاتے وہ اکتا کر بولی تھی۔

"اتنے عرصے کے بعد دونوں بہنیں ملی ہیں۔ اتنی جلدی باتیں کیسے ختم ہوں۔" مریم نے کہا۔

"یار سننا چاہیئے۔" فضہ نے مشورہ دیا۔ اسے یوں بھی شک تھا کہ نائلہ خالہ زریاب کی شادی کے لیے آئی

ہیں۔ ہو سکتا ہے بند کمرے میں ایسا ہی کوئی مشورہ ہو رہا ہو۔ مریم نے فوراً اس تجویز کو نامعقول قرار دے دیا تھا مگر وہ شابی کو اشارہ کر کے نکل گئی۔

"اگر تو یہ کھڑکی کھلی ہے تو آج کوئی نہ کوئی انکشاف ہو کر رہے گا۔"

کھڑکی اونچی تھی اور شابی لمبی۔ نیچے دیوار کے ساتھ چند فالتو اینٹیں پڑی تھیں۔

"شابی! اس پر چڑھ کر دیکھو۔" فضہ نے کہا۔ اس نے دو چار اینٹیں جوڑیں اور چڑھ گئی۔ ادھ کھلی کھڑکی میں سے نظر تو کوئی نہ آیا تھا مگر آواز آ رہی تھی۔ ہلکی۔۔۔ مدھم۔۔۔ الفاظ پلے نہ پڑے۔

"توبہ ہے، اتنی آہستہ بول رہی ہیں کہ کچھ پلے نہیں پڑ رہا۔"

"شش۔" فضہ نے خاموش کروایا۔

اس نے کان جالی سے چپکا دیا۔

"ہاں کوئی شادی بیاہ کی بات ہو رہی ہے۔"

"شش۔"

"ں میں۔ شاید سیاسی صورت حال پر تبصرہ ہو رہا ہے۔ پرویز مشرف کا نام سنائی دیا ہے۔"

"ش۔۔۔ شش۔"

"لیکن پرویز مشرف کے ساتھ خالہ کا کیا تعلق۔" خاموشی۔

"ہاں اب آئی ہیں پوائنٹ پر۔" جوش میں پنجوں کے بل اونچی ہوئی۔

خاموشی۔

"تمہیں کیوں سانپ سونگھ گیا ہے۔"

جواب میں صرف خاموشی ہی تھی۔

"تم۔۔۔"آ۔۔۔آ۔۔۔دھڑام۔

کاش زمین کھود کر اسی میں جا گھستی۔ گرنے اور چوٹ لگنے سے زیادہ سامنے والے بندے کو دیکھ کر رونا آیا تھا جس نے بچانے یا سنبھالنے کے بجائے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اور لگا گھورنے۔ شابی کو احساس ہوا، وہ اب بھی نہ تو سہارے کے لیے ہاتھ بڑھائے گا، نہ خیریت پوچھے گا تو کہنی کا درد سہتی اٹھی۔ خاموشی سے اس کے قریب سے گزری اور موڑ مڑتے ہی سرپٹ بھاگی تھی جبکہ نائلہ اور نجمہ کھڑکی کھولے تشویش سے پوچھ رہی تھیں۔

"کیا ہوا زریاب۔۔۔ گرا کون اور چیخ کس نے ماری؟"

کیونکہ وہاں کھڑا زریاب تھا اور چیخ خالصتاً نسوانی تھی۔

********** *

4 اکتوبر 2002ء

گوشت بھوتنے بھونتے نجانے دل میں کیا آئی کہ میں نے ایک بوٹی نکال لی۔ پھپھو نے مگنوایا تو اتنے دنوں کے بعد تھا بلکہ وہ تو سبزی بھی نہیں منگواتی تھیں۔ اتنے دنوں سے دالیں کھا کھا کر یوں بھی پیٹ میں درد مستقل رہنے لگا تھا، پھپھو سے کہا تو کہنے لگیں۔

"اس حالت میں ڈاکٹری دوائیاں نہیں کھانی چاہئیں، یہ پھکی کھالو۔"

"ہاں اس حالت میں تو شاید اچھی خوراک کھانا بھی منع ہو جاتا ہے۔"

"تم آٹا گوندھ لو، میں ہنڈیا بھون لیتی ہوں۔"

"میں ک رلیتی ہوں پھپھو!"

"اٹھو۔" بعض اوقات ان کا لہجہ اتنا تحقیر آمیز

ہو جاتا ہے، گویا بہو سے نہیں، کسی ملازمہ سے بات کر رہی ہوں۔

میں اٹھ گئی۔

"یونہی منہ چلتا رہا تو ہانڈی میں خاک کچھ بچے گا۔" پھپھو بڑبڑائیں۔

اف! انہوں نے مجھے بوٹی کھاتے دیکھ لیا تھا۔

"پھپھو! میں نے تو بس ایک۔۔۔ نمک چکھنے۔۔۔"

"جاؤ بی بی! اپنا کام کرو۔" وہ سر پر ہاتھ مار کر بولی۔ میں اٹھ کر آٹا گوندھنے لگی۔

یہ دل بھی بس یونہی خوار کرواتا ہے، ایک بوٹی ہی تو تھی۔ نہ کھاتی تو کیا ہو جاتا، اب پھپھو نجانے کس کس کو بتائیں گی۔

آٹا بھی گندھ گیا، روٹیاں بھی پک گئیں، نوکروں کو کھانا بجھوا دیا، پھپھو نے بھی کھا لیا، مجھے آواز نہ دی۔ بے شرم بن کر خود ہی چلی گئی۔ چنگیز سے روٹی نکال کر ہنڈیا کا ڈھکن اٹھایا تو ششدر سی رہ گئی۔ خالی ہانڈی میرا منہ چڑا رہی تھی۔

"پھپھو سالن۔"

"ختم ہو گیا۔۔۔ تم نے تو خیر کھا ہی لیا تھا۔"

گیٹ سے نکلتے نکلتے جواب دیا۔ یہ ایک بوٹی کھانے کی سزا تھی۔ روٹی چنگیز میں رکھ کر اندر آئی تو میں پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی اور بہت رو چکنے کے بعد احساس ہوا کہ بھوک صرف مجھے نہیں لگی، وہ جو میرے وجود میں پل رہا ہے، اسے بھی اپنا حصہ چاہیئے۔ لسی میں ہری مرچیں ملا کر اس میں ڈبو ڈبو کر روٹی کھاتے ہوئے میرا دل چاہا، میں یہاں سے بھاگ جاؤں۔

* * *

"بھئی! ڈرائیونگ کون کرے گا۔" نائلہ خالہ نے پوچھا۔ ان کے آنے سے گھر بھر کی رونق دوبالا ہو گئی تھی۔ بہت خوش مزاج اور زندہ دل خاتون تھیں۔ لڑکیوں کے وارے نیارے ہو گئے تھے۔۔۔ کہیں بھی جانا ہو، نائلہ خالہ فٹ سے تیار پھر مریم کی شادی کی تیاریاں بھی شروع ہو گئیں۔ چٹ منگنی پٹ بیاہ والا معاملہ تھا۔

"خالہ! آپ نے ڈرائیونگ کیوں نہیں سیکھی۔" فضہ نے پوچھا۔

"ڈرائیونگ سیکھنے کا مطلب ہے گھر کے مردوں کو ہر قسم کی ذمہ داریوں سے آزاد کر دینا، تو وہ کام بھی کرنے پڑتے ہیں جو صرف مردوں کے ذمے ہوتے ہیں۔"

"مگر مزا بھی تو آتا ہے۔ جب دل چاہے گاڑی لے کر اپنے کام نمٹا آئے۔ یہ نہیں کہ انتظار میں بیٹھے رہو، کب کوئی فارغ ہو اور لے کر جائے۔"

"ہاں یہ بھی ہے۔" نائلہ خالہ نے تائید کی۔ "مگر آج ٹیکسی نہیں لینی، اسی لیے کسی ڈرائیور کو پکڑو۔"

"ویسے تو کوئی مسئلہ نہیں ہے میں بھی ڈرا۔۔۔" زریاب کو دیکھ کر اس نے ایک دم منہ بند کیا تھا۔ وہ

مسکراہٹ دباتا نائلہ خالہ کی طرف مڑا۔

"جی مما!"

"بیٹا جی! آج ذرا مارکیٹ تک تو لے جاؤ۔"

وہ بھی فارغ تھا، مان گیا۔

"کب تک فارغ ہوں گے آپ لوگ۔"

"کیا کہہ سکتے ہیں۔۔۔ تین لڑکیاں اور ایک تمہاری ماں۔۔۔ وقت تو لگے گا ہی۔" نائلہ خالہ نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"تو ٹھیک ہے، فارغ ہو کر مجھے موبائل پر رنگ کر لیجئے گا، میں تب تک ایک دو کام سمیٹ لوں گا۔"

"آنٹی! میرا نہیں خیال تھا کہ زریاب بھائی اتنے کیئرنگ ہوں گے۔ جنید بھائی کی طرح یہ بھی تو کہہ سکتے تھے ٹیکسی لے کر آ جانا۔"

زریاب کے جانے کے بعد شابی نے حیران ہو کر کہا تھا، وہ مسکرا دیں۔

"اتنے دنوں سے وہ یہاں ہے، تم لوگ اسے اتنا بھی نہ جان سکے۔"

"جاننے کے لیے وہ رومیہ کافی نہیں ہے۔" مریم بڑبڑائی مگر نائلہ کی سماعتیں خاصی تیز تھیں۔

"رومیہ کا کیا ذکر۔"

"نہیں، میں تو پوچھ رہی تھی آپ گئی تھیں اس کے گھر۔" اس نے گڑبڑا کر بات سنبھالی۔

"ہاں گئی تھی۔"

"آپ کو رومیہ کیسی لگی؟" فضہ نے بے اختیار پوچھا۔

"اچھی ہے۔" انہوں نے مختصراً کہا اور ایک دوکان میں گھس گئیں۔ تینوں کے درمیان معنی خیز نظروں کا تبادلہ ہوا تھا۔ شاپنگ کے بعد جب زریاب لینے آیا تو نائلہ آنٹی نے چائنیز کی فرمائش کر دی۔ واپسی پر آئسکریم پیک کروا کر ہی گھر لوٹے تھے۔

* * *

7 اکتوبر 2002ء

"میں اپنے گھر میں ہوں۔"

یہ جملہ میں نے کتنی بار زیر لب دہرایا ہے مگر اندر کوئی ایسا احساس ابھرتا ہی نہیں کہ یہ گھر میرا ہے۔ یوں لگتا ہے اجنبی سرزمین ہے، اجنبی لوگ۔۔۔ کوئی میرا اپنا نہیں۔ پھپھو مجھ سے کس جنم کا بدلہ لے رہی ہیں، میں نہیں جانتی۔ ساس اتنی ظالم بھی ہو سکتی ہے، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ دھیرے دھیرے گھر سے ہر چیز غائب ہوتی جا رہی ہے۔ گھی، مکھن الماری میں بند ہیں اور اس پر لگا تالا میرا منہ چڑا رہا ہے۔ گھر میں ڈھنگ کا سالن نہیں بنتا۔ اگر بنے تو میرے لیے نہیں بچتا۔ کون یقین کرے گا کہ میں نے اس موسم کے پھل کا ذائقہ تک نہ چکھا تھا۔ تین دن ہو گئے ہیں مجھے اس کمرے میں تڑپتے روتے ہوئے۔۔۔ بخار میں کچھ کھانے کو جی نہیں چاہتا۔ روٹی کے چند نوالے بمشکل حلق سے اترتے ہیں۔۔۔ ابھی ابھی رفعت آئی تھی۔

"مر جائیں گی اس طرح آپ! کوئی ظلم کرے تو کیا ظلم سہتے چلے جاتے ہیں۔۔۔ اپنا نہیں تو اپنے بچے کا ہی خیال کریں۔۔۔ اس گاؤں میں ہر دوسری تیسری عورت کو ایسے ہی حالات کا سامنا ہے لیکن آپ کی طرح

مرنے کو تیار نہیں ہو جاتی ہیں۔ دودھ بلوتی ہیں تو مکھن کی ڈولی منہ میں ڈال لیتی ہیں۔ ادھر ساس باتھ روم میں گھسی، ادھر دودھ کا گلاس اپنے پیٹ میں۔ محلے کے بچے کو دو روپے رشوت تھمائے اپنے لیے سیب منگوا لیا۔ پتہ چل گیا تو کوئی بات نہیں، ساس کے ساتھ ایک معرکہ، چار دن سکون۔۔۔ پھر وہی سب شروع۔۔۔ مگر آپ۔۔۔ آپ کی سمجھ میں نہ کبھی میری بات آئی ہے، نہ آئے گی۔۔۔"

"اپنے گھر میں چوری کروں۔۔۔"

"جب گھر والے غاصب بن جائیں تو چوری بھی جائز ہو جاتی ہے۔" اس کے اپنے ہی فلسفے تھے۔

"اتنا ڈر کر رہیں گی تو آملیٹ بنا کر کھا جائیں گی آپ کو۔"

انہوں نے دلیہ بنا کر دیا تھا مگر میں کیا کروں، میری ہمت نہیں پڑتی کہ۔۔۔"

قلم، ڈائری چھوڑ کر وہ وہیں ٹھنڈے فرش پر چت لیٹ گئی۔ کمرے کے نچلے حصے میں درد کی تیز لہریں اٹھ رہی تھیں۔ اس کے لبوں سے ہلکی ہلکی کراہیں نکلنے لگیں، بخار سے سارا بدن یوں بھی ٹوٹ رہا تھا۔

"توبہ ہے، کتنے نخرے ہو جاتے ہیں بخار میں اس لڑکی کے۔۔۔ مگر دیکھو، یہ سوپ تو ختم کرنا ہی پڑے گا۔" کتنے نخرے اٹھاتی تھیں ممی اس کے۔

"لاؤ تھوڑا سر دبا دوں۔۔۔ بخار میں تو جسم یوں بھی ٹوٹنے لگتا ہے۔"

"اچھا شام میں تمہارے لیے کیا بناؤں۔ کھچڑی۔۔۔ دلیہ۔۔۔ یخنی یا۔۔۔"

گرم سیال آنکھوں کے کناروں سے نکل کر کنپٹی پر بہنے لگا۔ اس نے دونوں بازو آنکھوں پر رکھ لیے مگر آنسو بہتے رہے، وہ روتی رہی پھر کروٹ بدل لی۔ بہت دیر کے بعد دروازہ کھلا تھا۔ روشنی کی لکیر اندر آئی، اس نے

بازو ہٹا کر دیکھا، زیبر کو دیکھ کر بمشکل اٹھ سکی تھی۔

"آپ۔۔۔آپ کب آئے؟"

"کافی دیر ہو گئی۔" ان کا لہجہ سپاٹ سا تھا۔

"اچھا۔۔۔مجھے پتا ہی نہیں چلا۔۔۔"

"تم اپنی ذات سے باہر نکل کر دیکھو تو تمہیں کچھ پتہ چلے۔"

"مطلب؟" وہ کھٹک سی گئی۔

"بچی تو نہیں ہو کہ ہر بات کا مطلب بھی سمجھاؤں۔" وہ بیڈ پر بیٹھ گئے۔

"کچھ کھانے کے لے لاؤں؟" صاحب کا موڈ ٹھیک نہیں لگتا تھا، اس نے سوچا بات بدل دے۔

"اس گھر میں میری ماں رہتی ہے، میرے کھانے پینے اور آرام کا خیال رکھنے والی۔ اگرچہ خود اس کے اپنے آرام کے دن ہیں۔" وہ دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھ کر لیٹ گئے۔

بس بیٹھ گئے ماں کے پاس دو گھڑی اور بولنے لگے اسی کی زبان۔ حال سے بے حال بیوی تو نظر ہی نہیں آتی۔

"یہ حلیہ کیا بنایا ہے تم نے، فقیروں کی طرح زمین پر پڑی ہو۔ کوئی آ جائے دیکھ لے تو کیا سوچے، کیا سلوک کرتے ہیں ہم تمہارے ساتھ۔ مجھے تو یہ سمجھ میں نہیں آتا تمہیں دکھ کیا ہے، تکلیف کیا ہے تمہیں یہاں۔"

(ہائے یہ بے عقل مرد۔۔۔ ساری عقل تو عورت کی ذرا سی سیاست پر دھری کی دھری رہ جاتی ہے جو کہہ دیا، اسی پر اعتبار کیا۔ وہی زبان بولنے لگے۔)

"میں بتاؤ، مجھے یہاں کیا دکھ ہے، کیا تکلیف ہے، اعتبار کریں گے میرے کہے کا۔" وہ بڑے ضبط سے گویا

ہوئی۔

"کیا تکلیف ہے۔" زیبر نے کروٹ بدلی اور کہنی کے بل اونچا ہوئے۔ وہ ذرا کھسک کر قریب ہوئی ایک ہاتھ اس کے بازو پر رکھا۔

"پھپھو! مجھے یہاں بیٹی بنا کر لائی تھیں، حقیقت تو یہ ہے کہ وہ مجھے اس گھر میں کوئی ایک مقام بھی نہیں دے سکیں۔ نہ بیٹی کا، نہ بھتیجی کا اور نہ بہو کا۔۔۔"

وہ رہ نہ سکی۔ مدھم لہجے میں بتاتی چلی گئی۔ آنسو تواتر سے بہتے رہے۔ وہ لب بھینچے سنتے رہے، پھر ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھے۔

"بس کرو رباب! حد ہوتی ہے مبالغہ آرائی کی۔ اتنی سفاکی سے جھوٹ بولتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی۔ یہی سوچ لیتیں کہ وہ صرف تمہاری ساس ہی نہیں، پھپھی بھی ہیں۔"

وہ ایک پل کو ششدر رہ گئی پھر پھٹ پڑی۔

"میں نے نہ تو جھوٹ بولا ہے اور نہ مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے زیبر صاحب! کہ اس گھر میں میرے ساتھ یہ سلوک ہوتا رہا ہے، کرنے والی کوئی اور نہیں، میری پھپھو ہی ہیں۔"

"شٹ اپ، اپنی حد میں رہو۔"

"میں تو حد میں ہی تھی، مجھے حد سے باہر کس نے کیا ہے۔ ایک سال بیت گیا مجھے یہ سب سہتے ہوئے، کبھی کوئی شکوہ، کوئی شکایت کی آپ سے۔ سب کچھ سہتی رہی صرف آپ کے لیے اور۔۔۔ اور آج آپ ہی مجھ سے حساب مانگنے چلے ہیں۔"

"تو کیا کروں، جا کر ماں کے سامنے کھڑا ہو جاؤں۔ بتایا تھا میں نے تمہیں کہ بہت مشکلوں اور تکلیفوں سے گزر کر۔۔۔"

"تو۔۔۔ان کی تکلیفوں میں زندگی گزری ہے تو کیا مجھے بھی اسی طرح گزارنی ہو گی۔ ان پر ظلم ہوا ہے تو کیا میرے لیے بھی فرض ہو گیا ہے میں بھی ہر ظلم سہوں۔ کہاں کا انصاف ہے یہ کہ ایک عورت کو گھر کا سکھ نہیں ملا تو دوسری کو بھی نہ ملے۔ میں یہاں بیاہ کر آئی تھی زبیر صاحب! بھاگ کر نہیں۔ میرا نہیں تو اپنے ہونے والے بچے کا ہی خیال کر لیں یا میرے ساتھ اسے بھی مارنا چاہتے ہیں آپ لوگ۔۔۔"

"بس۔۔۔"

اس گھر کے در و دیوار نے آج پہلی بار اتنی اونچی آوازیں سنی تھیں۔ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا تو چپ زبیر بھی نہ ہوئے تھے دونوں کو چپ کروانے والا کوئی بھی نہ تھا، بات تو بڑھنی ہی تھی۔

****

"مجھے لاہور چھوڑ آئیں۔"

صوفے پر بیٹھی وہ حتمی لہجے میں کہہ رہی تھی۔ کل شام کے جھگڑے کے بعد یہ پہلی بات تھی جو اس نے

آج صبح کی تھی۔ زبیر نے ہیر برش رکھ کر اس کی طرف دیکھا۔ بے خواب سرخ آنکھیں رت جگے کی غماز تھیں۔ آنکھوں کے گرد حلقے بے حد نمایاں، زرد، بے رونق چہرہ، وہ نظریں چرا گئے۔

"کیوں؟"

"اب بھی یہ سوال باقی ہے۔" اس کا لہجہ تلخ تھا۔

"رباب تم۔۔۔"

"پلیز زبیر! میں اس وقت کچھ اور نہیں سننا چاہتی کہ آپ مجھے لاہور لے جا رہے ہیں۔"

"بہت بولنا آ گیا ہے تمہیں۔" اس کے انداز زبیر کو حیران کر رہے تھے۔

"جانور کو بھی تکلیف پہنچے تو وہ چیختا ہے، میرا بولنا کچھ ایسا بے جواز بھی نہیں، بہت چپ رہی ہوں میں۔"

"دیکھو رباب! اگر تم اس طرح جاؤ گی تو معاملات بگڑ بھی سکتے ہیں۔"

وہ اٹھ کر ان کے سامنے آ گئی۔

"میں ناراض ہو کر نہیں جا رہی ہوں، مگر میں یہ چند مہینے سکون کے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔ پڑھے لکھے ہیں آپ۔ اتنا تو سمجھتے ہوں گے کہ یہ حالات اور یہ پریشانیاں آپ کے بچے پر کس طرح اثر انداز ہو سکتی ہیں۔ مجھ میں اب طاقت نہیں رہی، چھ ماہ ہو گئے ایک بار بھی میرا چیک اپ نہیں ہوا۔ کیا آپ کو واقعی میری حالت نظر نہیں آتی، میں یہاں کسی دائی کے ہاتھوں مرنا نہیں چاہتی ہوں۔"

"کیا یہاں کی عورتیں بچے پیدا نہیں کرتیں۔" وہ جھنجلا گیا۔

"وہی بات ہو گئی، ایک بادشاہ شکار کھیلنے گیا سڑک کے کنارے جمگھٹا دیکھا۔ پتا چلا ایک عورت کے بچہ پیدا ہوا ہے۔ ذرا سی دیر میں عورت نے بچہ کندھے سے لگایا اور قافلے کے ساتھ یہ جا وہ جا۔ دیہاتی عورت تھی، وہ واپس جا کر رانی پر خفا ہوا۔ ہر وقت کھانا پینا۔۔۔ چونچلے۔۔۔ یہ۔۔۔ وہ۔۔۔ رانی عقل مند تھی۔ مالی سے کہا۔ باغ کو پانی مت دینا۔۔۔ تھوڑے دنوں میں سارا باغ مرجھا گیا۔۔۔ بس یہی فرق ہے ایک جنگلی پھول جو موسموں کی شدت سہنے کا عادی ہو جاتا ہے۔ ایک باغ میں کھلا پھول جس کی دھوپ چھاؤں کا خود خیال رکھنا

پڑتا ہے، اگر۔۔۔۔"

"مجھے کہانیاں مت سناؤ۔" بے خیال میں سنتے سنتے وہ ناگواری سے گویا ہوئے۔ وہ افسردگی سے مسکرادی۔

"بادشاہ کی سمجھ میں تو یہ بات آگئی تھی، آپ کی سمجھ میں نہیں آرہی۔ اپنے آنگن میں لگی بیل کی دیکھ بھال کرنا چھوڑ دیجئے پھر دیکھیے کتنے پھول دیتی ہے وہ۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو۔"

"مجھے لاہور چھوڑ آئیں۔"

وہ کچھ لمحے دیکھتا رہا۔

"ٹھیک ہے۔"

زیبر باہر نکل گئے تو وہ تیزی سے بڑے بیگ میں ضرورت کی چیزیں ٹھونسنے لگی۔ وجود میں زندگی سے دوڑ گئی تھی۔ اپنوں سے ملنے کا خیال سرخوشی بن کر خون میں گردش کرنے لگا تھا۔ آناً فاناً تیاری ہوگئی۔

زیبر نے پھپھو سے نجانے کیا کہا تھا۔ جب وہ ان کے سامنے دعا لینے کو جھکی تو انہوں نے منہ پھیر لیا۔

****

شابی کی لمبی چیخوں نے بادلوں بھری شام کی چپ میں دراڑیں ڈال دیں۔ کوئی کہیں سے برآمد ہوا کوئی کہیں سے۔

"رباب آگئی۔۔۔ رباب آگئی۔" کی آوازوں سے ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے کو خبر ہوگئی۔ آناً فاناً سب ہی اکھٹے ہوگئے۔ کوئی ادھر سے لپٹ گئی، کوئی ادھر سے، لڑکے زیبر سے ملنے لگے۔ سائرہ نے

ڈانٹ ڈپٹ کر سب کو الگ کیا۔ وہ اسے اپنے جلو میں لیے اندر آگئیں۔ نجمہ سامنے سے آرہی تھیں، اسے دیکھ کر ایک پل کو ٹھٹکیں، وہ بھاگ کر ان سے لپٹ گئی۔

"رباب! میری بیٹی!" وہ بار بار اسے پیار کر رہی

تھیں پھر اسے خود سے الگ کر کے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام لیا۔

"تمہارا جسم تپ رہا ہے، تمہیں بخار ہے رباب!" یہ ماں تھیں، بنا کہے دکھ درد سمجھ جانے والی۔

"تمہیں ضرورت کیا تھی یوں بخار کی حالت میں نکلنے کی۔" انہوں نے آگے بڑھ کر زیبر کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"میں نے تو منع کیا تھا۔" انہوں نے آہستگی سے کہا۔

"میرا دل بہت اداس تھا ممی!" وہ نڈھال سی ہو کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ اتنے طویل سفر نے یوں بھی اس کی حالت خستہ کر دی تھی۔

"پھر بھی جانو! اسی حالت میں، میں چند دنوں تک تمہیں لینے آنے والی تھی۔"

وہ اس کا حال دیکھ کر پریشان ہو رہی تھیں۔ پیلی رنگت، دھنسی ہوئی آنکھیں، کمزور چہرہ۔ یہ وہ رباب تو نہ تھی، ان کا دل ہول رہا تھا۔

"اسے کمرے میں لے جاؤ، میں سیب کا جوس نکال کر لاتی ہوں۔" سائرہ نے فوراً اپنی جاب سنبھالی۔

"زیبر بیٹا! آپ بھی فریش ہو جاؤ۔" وہ جنید کو اشارہ کر کے کچن میں گھس گئیں۔

شام تک گویا گھر میں ایمرجنسی نافذ ہوگئی تھی۔ زیبر کو خاطر خواہ توجّہ نہیں ملی تھی مگر رباب کی حالت دیکھ کر

وہ بھی گھبرا گیا تھا۔ بخار مزید تیز ہو گیا تو سائرہ اور نجمہ اسے لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے گئیں۔ اس نے ڈرپ لگا دی۔

غذا کی کمی، خون کی کمی، ٹینشن، ماں اور بچہ دونوں بے حد کمزور۔ نجمہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ شام کو اسے لے کر گھر آئیں تو سائرہ نے زیبر کو گھیر لیا۔ ڈاکٹر کے مشورے اس کے خدشے۔

"کچھ کھاتی پیتی ہی نہیں۔" وہ جز بز ہوتا رہا۔

انہوں نے عظیم کو بھجوا کر بادام اور ڈھیروں ڈھیر پھل منگوایا۔ کام کرنے والی کو پیسے تھمائے، اپنے گاؤں سے خالص دیسی گھی لے کر آئے۔ دودھ، یخنی، پھل، جوس، سوپ، دنیا جہاں کی نعمتیں اس کے سرہانے ڈھیر ہو گئیں۔ پیار کرنے والے، خیال کرنے والے، ڈانٹ کر اصرار سے کھلانے والے اور ہاتھ پاؤں دبانے والے بھی بہت۔ وہ مسلسل غنودگی میں تھی، اسی غنودگی میں کبھی بڑبڑانے لگتی۔

"لسی میں مرچ ڈالی، پھر روٹی کھائی۔

پھپھو نے کہا۔ "تمہارے باپ کا گھر۔"

نجمہ منہ چھپا کر رونے لگتیں۔ سائرہ، زیبر کو گھورتیں۔ لڑکیاں الگ سنجیدہ ور نجیدہ چہرہ بنائے کھڑی تھیں۔ زیبر اتنا شرمندہ ہوئے کہ شام ہی کو واپس چلے گئے۔ نائلہ خالہ زریاب کے ساتھ اپنی سسرال حیدر آباد گئی ہوئی تھیں۔

* * *

"ہیلو شاداب!"

کاریڈور کی سیڑھیوں پر نجانے کس سوچ میں گم شاداب چونکی پھر اپنے سامنے رومیہ کو دیکھ کر کچھ بیزار سی ہو گئی۔

"ہیلو۔"

"یہاں بیٹھی کیا کر رہی ہو؟"

"یونہی موسم انجوائے کر رہی تھی۔"

رومیہ نے بے حد حیرت سے اسے دیکھا۔ چلچلاتی دھوپ، ہوا بند اور حبس۔ وہ بس کندھے اچکا کر رہ گئی۔

"زریاب گھر پر ہیں؟"

"نہیں۔"

"کہاں گئے ہیں؟"

"حیدر آباد۔" پھر بظاہر سادہ سے لہجے میں پوچھنے لگی۔ "تمہیں بتا کر نہیں گئے؟"

"ہاں۔ شاید ذکر تو کیا تھا۔" رومیہ کا لہجہ اس سے زیادہ سرسری تھا۔

"بیٹھو گی نہیں۔"

"نہیں، چلتی ہوں۔ اسپتال سے آ رہی تھی، سوچا تھا زریاب واپس آ گئے ہوں تو لنچ ان ہی کے ساتھ کر لوں۔ جب سے ہاؤس جاب شروع ہوا ہے، انہیں شکوہ ہی رہتا ہے کہ میں انہیں ٹائم نہیں دیتی۔" وہ دھیمے سے ہنسی پھر اس کے سامنے ہاتھ کی پشت کی۔

"کیسی ہے؟" انگلی میں بیش قیمت ڈائمنڈ رنگ جگمگا رہی تھی۔

"اچھی ہے۔"

"زریاب نے لے کر دی ہے۔" اس کے لبوں پر خوبصورت سی مسکراہٹ آ ٹھہری۔ شاداب سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

"یقین نہیں آیا۔ حالانکہ اس دن سب کے سامنے تو اس نے مجھے میری پسند کا گفٹ دلانے کا وعدہ کیا تھا۔"

"ہاں۔۔۔" وہ چپ سی ہو گئی تھی۔

"زریاب کی چوائس بہت اچھی ہے۔" اس نے ہاتھ اپنی آنکھوں کے سامنے کیا پھر نظر اٹھا کر شاداب کو دیکھا۔ "معمولی چیزیں پسند نہیں کرتا۔"

شاداب گم صم سی بیٹھی تھی۔

"ایک بات پوچھوں، زریاب تمہیں کیسا لگتا ہے؟"

"جیسا ہے، ویسا ہی لگتا ہے۔"

"پھر بھی۔۔۔ کزن ہے تمہارا، تمہارے گھر میں رہتا ہے۔ باتیں بھی تو ہوتی ہوں گی اور تفریح بھی۔۔۔" وہ نجانے کیا اگلوانا چاہ رہی تھی۔ شاداب کی آنکھوں میں غصہ سا امڈ آیا۔

"اچھا بابا! مائنڈ کیوں کرتی ہو، یونہی پوچھ لیا ہے۔ تمہارے دل میں نہیں تو تمہاری ممی کے دل میں تو خیال آیا ہی ہو گا۔"

"رومیہ" شابی کا لہجہ سنجیدہ سا ہو گیا۔ "ہم قسمت پر یقین کرنے والے لوگ ہیں۔ جو ہماری قسمت میں لکھا ہے، وہ کوئی اور نہیں چھین سکتا۔ اس لیے ہمیں دوسروں کی طرح ہاتھ پاؤں مارنے کی ضرورت محسوس نہیں

ہوتی۔"

رومیہ کا چہرہ پل کو سرخ ہوا، لیکن دوسرے پل وہ سنبھل گئی۔

"قسمت دھوکا بھی دے جاتی ہے۔"

"قسمت دھوکہ نہیں دیتی۔ انسان خود اپنے آپ کو دھوکا دیتا ہے۔" وہ کھڑی ہو گئی۔

"زریاب بھائی آئے تو میں بتا دوں گی کہ تم آئی تھیں۔"

"وہ آئے گا تو مجھے خود ہی رنگ کرے گا۔ تم فکر مت کرو۔" وہ چلی گئی مگر شاداب بری طرح ڈسٹرب ہو گئی تھی۔

****

"چلچلاتی ہوئی دھوپ تھی، بے حد گرمی، حبس، یہی کوئی جون یا جولائی کا مہینہ ہو گا، جب میں اس گھر میں داخل ہوئی۔ سارے کمروں اور کچن میں تالے پڑے تھے۔ اور تسنیم وہیں اک گرم دیوار کے گرم سائے میں ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ اس نے ہمیں کبھی نہیں بتایا تھا کہ اس کی ساس باہر جاتے ہوئے سارے کمرے بند کر جاتی تھی کہ کہیں وہ پنکھا نہ لگا لے۔ اس کے پاؤں میں چپل نہیں ہوتی تھی اگر کبھی پوچھیں، تو کہتی تھی، انگوٹھا درد کرتا ہے۔ گرمی کے مہینوں میں بدن کاٹنے والے اپنے جہیز کے ریشمی سوٹ ہی پہنتی تھی۔ اس کی ساس، شوہر جب دل چاہتا دھنک کر رکھ دیتے۔"

ممی کی انگلیاں رباب کے بالوں کو سہلا رہی تھیں۔ اس کا بخار اتر گیا تھا۔ بس کمزوری باقی تھی۔ ماں کی گود میں سر رکھ کر اپنے سارے دکھ کہے تھے۔ نجمہ سن کر روتی جاتی تھیں اور اس کے آنسو پونچھتی تھیں۔

"نمبر دار کی بہو تھی تسنیم مگر حالت۔ ظلم اور اذیت کیا ہیں، یہ تپتی دیوار کے ساتھ لگ کر گرم دوپہر گزارنے والی تسنیم سے پوچھو۔"

"لسی میں مرچ گھول کر روٹی کھاتی رباب سے کیوں نہ پوچھو۔"

"رد عمل ہے یہ۔" نجمہ مضمحل سی مسکرائیں۔

"تو میں کیا کروں، چپ چاپ سہتی رہوں۔" وہ تلخ

ہو گئی۔

"زبیر سے بات کی تھی تم نے؟"

"ہوں۔۔۔" وہ نجانے کس سوچ میں ڈوب گئی۔

"تمہارے ساتھ کیسا ہے؟"

"اچھے ہیں مگر پاس تو نہیں ہیں۔ کہیں مہینے بعد چکر لگتا ہے۔"

"بہت پریشان ہو کر گیا ہے۔۔۔ لیکن سمجھ دار بچہ ہے، کوئی نہ کوئی حل تو نکالے گا۔" وہ زیر لب بڑبڑائیں پھر پوچھنے لگیں۔

"کبھی تم نے اپنی پھپھو کے ساتھ محبت بھرے اور دوستانہ مراسم قائم کرنے کی کوشش بھی کی۔"

"کیا بات کر رہی ہیں ممی! میں نے اپنے فرائض میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔"

"فرائض۔۔۔ تم نے پوچھا۔۔۔ پھپو! کھانا لاؤں۔ انہوں نے منہ لپیٹ کر کہہ دیا نہیں۔ تمہارا فرض پورا ہو گیا۔ تم چلی آئیں۔ کبھی آگے بڑھ کر بہت محبت سے ان کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر یہ بھی پوچھا کہ وہ اس طرح

کیوں لیٹی ہیں۔ طبیعت خراب ہے، اداس ہیں۔ کبھی بغیر کسی وجہ کے ان کے پاس بیٹھی ہو۔ ان سے باتیں کی ہیں، کبھی ان کا دکھ درد پوچھا ہے؟"

"امی! وہ مجھ سے بات نہیں کرتیں۔"

"کب تک نہیں کریں گی۔ انسان ہیں۔ اور انسان ہمیشہ محبت بھرے سہارے ڈھونڈتا ہے۔ بیٹا! شادی شدہ زندگی اور سسرالی تعلقات فرائض سے کچھ آگے کی چیزیں، بہت سا صبر، محبت، مروت، خوش اخلاقی، خود آگے بڑھ کر تھامنے کی خو، دل میں گنجائش۔ جانتی ہو۔ بہت سپنے، بہت خواب ہوتے ہیں لڑکیوں کی آنکھوں میں، جب سسرال میں یہ سب نہیں ملتا تو کھینچا تانی شروع ہو جاتی ہے۔ مگر کبھی وہاں کا ماحول بدلنے کی کوشش مت کرو۔ چپ چاپ اس ماحول کو اوڑھ لو، کچھ ناگوار بھی گزرے گا۔ مگر ضمیر سے کام لو۔ پھر ایک وقت آئے گا جب تمہارے قدم مضبوطی سے اپنی زمین میں گڑ جائیں گے۔ یہ وقت ہو گا جب تم تبدیلی لاؤ گی تو کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔ اس بات پر پریشان مت رہا کرو کہ تمہاری ساس لوگوں سے تمہارے بارے میں کیا کیا کہتی ہیں۔ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیا کرو۔ کب تک کہیں گی تمہارے اچھے سلوک کو دیکھ کر خود بخود تعریف کرنے پر مجبور ہو جائیں گی، بلکہ تم اپنے فرائض صرف تعریف کے لیے نہیں، بلکہ اللہ کی خوشنودگی کے تابع کر دو۔ دیکھنا بہت سکون سے نیند آئے گی۔ باقی میں زبیر سے بھی بات کروں گی۔ سمجھاؤں گی اسے۔ انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پریشان مت ہوا کرو۔"

انہوں نے جھک کر پیشانی پر پیار کیا۔ رباب کے شکوے شکایتیں ایک طرف پڑی رہ گئیں، وہ بھی نجمہ کی بیٹی تھی۔ فوراً اپنی کوتاہیاں ڈھونڈنے لگی، لگا کہیں نہ کہیں غلطی اس سے بھی ہوئی ہے۔ کوئی کمی رہ گئی ہے۔ نجمہ

کی باتوں نے اک نئی راہ سجھائی تھی۔ وہ قدرے ہلکی پھلکی ہو گئی۔

"حالات اب بھی ٹھیک ہو تو سکتے ہیں۔"

ذہن پر بوجھ کسی قدر سرکا تو وہ شابی کو چھیڑ بیٹھی۔

"زریاب تمہیں کیسے لگے؟"

وہ سٹپٹا کر رباب کو دیکھنے لگی۔ شوخ لہجہ، شرارتی و متبسم آنکھیں۔

"اب تک تو انڈر اسٹیڈنگ تو ہو ہی گئی ہو گی؟"

"کوئی بھی نہیں۔"

وہ بہانے سے اٹھی تو فضہ اور مریم پر برس پڑی۔ وہ قسمیں کھاتی رہ گئیں کہہ انہوں نے رباب سے ان دونوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔

"تو وہ مجھ سے یہ سب کیوں پوچھ رہی تھیں؟" اسے اعتبار نہیں آیا تھا۔

"ذرا سی بات نہیں چھپا سکیں۔ اور میں احمق، بے وقوف ہر بار کوئی نہ کوئی بات شیئر کرنے آجاتی ہوں۔" وہ تن فن کرتی چلی گئی تو دونوں کو یہ تشویش لاحق ہو گئی کہ وہ اب کون سی بات شیئر کرنے آئی تھی۔

******

زریاب سے مل کر رباب بہت خوش ہوئی تھی۔

شکل و صورت، قد کاٹھ، عادت، مزاج اسے کہیں کوئی کمی نظر نہیں آئی تھی۔ تب ہی ممی سے پوچھ بیٹھی۔

"آنٹی زریاب کی شادی کرنے آئی ہیں۔"

"پتا نہیں۔" انہوں نے اختصار سے کام لیا۔ نائلہ خالہ نہار ہی تھیں۔ سائرہ کریلے چھیل رہی تھیں۔

"آپ سے کوئی بات نہیں کی؟"

"نہیں۔۔۔" وہ اس موضوع سے اجتناب برت رہی تھیں۔ مگر وہ بڑی بیٹی ہونے کے ناتے عام طور پر گھر کے ہر معاملے میں شریک رہی تھی۔

"پھر بھی ہمیں تو اپنی تیاری پوری رکھنی چاہیئے، کچھ بنانا شروع کیا آپ نے شابی کے لیے؟"

"وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔" انہوں نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"وقت کب آئے گا ممی! شابی ایم اے کر چکی ہے۔ چند دنوں میں رزلٹ بھی آجائے گا۔ اب اور کتنا انتظا کرنا ہے۔"

نجمہ نے مدد طلب نگاہوں سے سائرہ کی طرف دیکھا۔ جواب تک خاموشی سے کریلوں ہی کے ساتھ مصروف تھیں۔ چھری رکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"وہ تو بچپن کی بات تھی اب کون جانے کیا ارادہ ہے۔"

"کیسی بات کر رہی ہیں آنٹی آپ۔" وہ اچھل ہی پڑی۔ "چھ سالہ شابی کی کلائی میں کنگن ڈال کر پورے خاندان میں اعلان کیا تھا انہوں نے کہ شابی میری بہو ہے۔ کوئی سرسری بات نہیں تھی۔ باقاعدہ منگنی کی تھی انہوں نے۔ اب کیسے مکر سکتی ہیں۔ آخر ہم نے شابی کو اتنے سالوں سے زریاب کے نام پر بٹھا رکھا ہے۔"

"اے بیٹی! آیا تھا زریاب شادی کرنے ہی۔ گھر بھی بنوا رہا ہے۔ کہتے ہیں امریکہ کے حالات مسلمانوں کے لیے ٹھیک نہیں، اب یہیں رہیں گے۔ مگر وہ چمٹ گئی جان کو رومیہ، ماں باپ نے شتر بے مہار چھوڑا ہوا ہے۔

اب اس جیسی چٹک مٹک کرتی لڑکی کے آگے ہماری بچی کیا خاک نظر آئے گی۔اوپر سے یہ تمہاری ماں منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھی ہیں۔" سائرہ بہت دنوں سے بھری ہوئی تھیں۔

"اب کیا اپنے منہ سے کہوں؟"

"یہ بھی خوب رہی۔ منگنی ہوئی تھی، یوں کیسے ختم ہو سکتی ہے۔"

"نائلہ نے ابھی کوئی بات نہیں کی۔ میں خود سے چھیڑنا نہیں چاہتی۔ جب تک بات واضح نہ ہو آپ لوگ بھی خاموش رہیں۔" نجمہ نے تقریباً بات ختم ہی کر دی۔

"عجیب پریشانی میں ڈال دی ہے۔ شابی کو پتا ہے کہ۔۔۔"

"نہیں۔ میں نے اسے کبھی نہیں بتایا۔ شاید اچھا ہی ہوا۔۔۔"

"اچھا کہاں ہوا ہے ممی!" باہر کھڑی شابی نے ادھ کھلے دروازے پر پریشانی ٹکاتے ہوئے سوچا۔ "بالکل بھی اچھا نہیں ہوا۔۔۔ جس بات سے آپ ڈرتی تھیں، وہ تو ہو گئی اب۔۔۔ اب آپ کی شابی کیا کرے گی۔"

ڈائمنڈ رنگ سے پھوٹتی روشنیاں اس کی آنکھوں میں چبھنے لگی تھیں۔

****

مریم کی شادی کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ تایا ابو نے بھاری چیک بجھوایا تھا۔ ہر کوئی مصروف تھا مگر کہیں نہ کہیں وہ سب ایک دوسرے سے الگ ہو کر سوچنے لگتے، اپنے اپنے مسئلے، اپنی اپنی سوچیں۔ رباب سوچتی۔ زیبر کا فون بہت دنوں سے نہیں آیا۔

وہ جب سے یہاں آئی تھی، اس نے کئی بار فون کر کے اس کی خیریت دریافت کی تھی۔ سائرہ کے دماغ میں

ہمہ وقت حساب کتاب ہوتا رہتا۔

اتنے کپڑے، اتنا زیور، کراکری۔

نجمہ زریاب کے ساتھ ساتھ شابی کو دیکھتی تو گم سی ہو جاتیں اور شابی سوچتی۔

"کاش ہمارے درمیان رومیہ نہ آتی۔"

زریاب اور نائلہ کیا سوچتے تھے۔ یہ ان دونوں کے

سوا کوئی نہ جانتا تھا۔ انہی بیزار بیزار سے دنوں میں شابی کا رزلٹ آ گیا۔ خلاف توقع وہ سکینڈ ڈویژن میں پاس ہو گئی تھی۔ عظیم، فضہ اور مریم نے تو اس کی کامیابی پر بھنگڑے ڈالے تھے۔ وہ ہنستی رہی۔ یقین تو خود کو بھی نہ آتا تھا۔ مگر وہ زیادہ خوش نہ ہو سکی، فضہ نے پوچھ ہی لیا۔

"تمہیں ہوا کیا ہے؟"

"مجھے کیا ہونا ہے۔"

"پہلے جیسی نہیں رہی۔"

"پہلے جیسی نہیں رہی۔" وہ ہنس دی۔ "میں پہلے جیسی ہی ہوں۔ بس تم لوگوں کو شک ہو گیا ہے۔"

"تم اب زریاب بھائی کا ذکر بھی نہیں کرتیں۔"

"فائدہ ہی کوئی نہیں۔ جو اپنا نہیں، اس کے لیے دل کیا جلانا۔" اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔

مریم نے بے حد حیرت سے اسے دیکھا۔

"بہت زیادہ دن نہیں گزرے بی بی! جب تم اس کے ساتھ محبت کی دعوے دار تھیں۔"

"پتا نہیں محبت تھی بھی یا نہیں۔ تمہیں تو پتا ہے، ہر بات کا اظہار جلدی کر دیتی ہوں۔ وہ اچھا ہے اس لیے سب کو اچھا لگتا ہے۔ پتا نہیں ہم لڑکیاں اتنی جذباتی کیوں ہوتی ہیں۔ ذرا سی پسندیدگی کو فوراً محبت کا نام دے دیتی ہیں۔" وہ کھڑی ہو گئی۔

"دیکھوں رابی کیا کر رہی ہے۔"

"یہ واقعی پہلے جیسی نہیں رہی۔" مریم نے اس کے جانے کے بعد کہا تھا۔ وہ کاریڈور کی سیڑھیوں پر آ بیٹھی۔ محبت، کہاں ہے محبت۔۔۔ اب تو صرف ایک ہی دکھ ہے ٹھکرائے جانے کا، کاش مجھے یہ ہی نہ پتا چلتا کہ میں کبھی اس کے ساتھ منسوب تھی۔

"یقیناً تم موسم انجوائے کر رہی ہو۔" کیمل کلر کے کاٹن کے شلوار قمیص میں وہ سامنے کھڑا تھا۔ جسے دیکھ کر اس کے دل میں پہلا خیال یہی آیا تھا کہ اسے اب یہاں سے چلے جانا چاہیئے۔ ورنہ خود کو سمجھانا مشکل ہو جائے گا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ کھڑی ہو گئی۔

"رومیہ بتا رہی تھی۔ تم چلچلاتے موسم کو بھی اچھا خاصا انجوائے کر لیتی ہو۔"

"اسے کیا ضرورت ہے میرے بارے میں یہ فضول بکواس کرنے کی۔"

"اتنا غصہ۔۔۔" ایک پاؤں سیڑھی پر ٹکا کر اس نے بے حد دلچسپی سے اس کے چہرے پر بکھرے غصے کو دیکھا۔ گلابی چہرہ ایک دم سرخ ہوا تھا۔

"اچھا۔ میرے ساتھ تھوڑی دیر مارکیٹ چلو گی۔"

"ں میں۔۔۔" دو ٹوک لہجے میں انکار ہوا۔

"کیوں۔۔۔؟" وہ کچھ حیران ہوا تھا۔

"گھر والوں کو اچھا نہیں لگے گا۔" سادہ سے لہجے میں توجیہہ پیش کی۔

"کمال ہے جب تمہیں اچھا لگے گا تو۔۔۔"

"آپ سے کس نے کہہ دیا مجھے اچھا لگے گا۔" وہ تنک کر بولی۔

"ڈرائیونگ تم کرنا۔۔۔" زریاب اس کی بات یکسر نظر انداز کر کے بولا۔ گویا لالچ دیا، وہ الجھ گئی۔ "آج اتنی لفٹ کیوں کروا رہے ہیں۔" مشکوک نظروں سے اسے دیکھا پھر رکھائی سی بولی۔

"مجھے اب ڈرائیونگ کرنا اچھا نہیں لگتا۔"

"شاداب! میں صرف تمہاری پسند کا گفٹ دلانا چاہتا ہوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں بلکہ گفٹ کی ہی ضرورت نہیں۔ (اپنی رومیہ کو دلائیں) میری کامیابی کچھ اتنی بڑی بھی نہیں۔"

"چھوٹی ہو یا بڑی، کامیابی تو کامیابی ہوتی ہے۔"

"مجھے گفٹ کی ضرورت نہیں۔" وہ کہہ کر رکی نہیں تھی۔

"لگتا ہے تم پر بھی شاداب کا اثر ہو گیا ہے۔ اس گرمی میں کھڑے ہو۔"

وہ پلٹا، تب احساس ہوا شابی اندر کیوں چلی گئی تھی۔ اس نے رومیہ کو دیکھ لیا تھا۔

"خاصی ال مینرڈ ہیں تمہاری کزن، ملنا بھی گوارا

نہیں کیا۔"

"کیسی ہو؟" وہ اس کے تبصروں کو نظر انداز کر گیا۔

"ٹھیک ہوں، تم نے واپس آ کر فون بھی نہیں کیا۔"

"بس مصروفیت۔"

"اچھا میرے پاس صرف ایک گھنٹہ ہے۔ لنچ کے لیے، پھر ہسپتال جانا ہے چل رہے ہو۔" اس نے گھڑی پر نگاہ دوڑائی۔

"مگر۔۔۔" وہ کچھ کہتے کہتے رکا۔ "ٹھیک ہے چلو۔"

"شابی سے کیا باتیں ہو رہی تھیں۔" رومیہ کا لہجہ سرسری سا تھا۔

"دوستوں سے کیا باتیں ہوتی ہیں۔"

"اوہ تو دوستی ہو ہی گئی۔" اس نے ہونٹ سکوڑے۔ وہ صرف مسکرایا تھا۔

"خیال رہے، دوستی میں بہت آگے مت نکل جانا۔" وہ اس کی معنی خیز مسکراہٹ پر تڑخ کر بولی تھی۔

"مجھے اپنی حد کا اندازہ ہے۔" زریاب کا اطمینان ہنوز برقرار تھا۔

****

موسم کو بدلنا تھا سو بدلا۔۔۔ وقت کو گزرنا تھا سو گزرا۔ دن رات آگے پیچھے بھاگتے چلے گئے۔ یہ تین ماہ کچھ الجھتے سلجھتے جلتے کڑھتے امید و ناامیدی کے مابین، سوچ اور فیصلہ کے درمیان کی منزلوں کو عبور کرتے گزر گئے۔ زیبر ایک بار بھی نہیں آئے۔ سرحدوں کی صورتحال خراب تھی۔ انہیں چھٹی ہی نہیں ملی۔ مگر فون

ضرور کرتے تھے۔ نائلہ خالہ کبھی سسرال کا چکر لگاتیں تو کبھی یہیں ہوتیں۔ ان کا بنگلہ کافی حد تک تعمیر ہو گیا تھا۔ بس چھوٹا موٹا کام باقی تھا۔

زریاب کو ایک ملٹی نیشنل کمپنی کی طرف سے جاب آفر ہوئی جو اس نے قبول کر لی۔ یوں رومیہ کے گھر کے چکر لگنے بند ہو گئے۔ شاید اب وہ دونوں باہر ہی مل لیتے تھے۔ خاندان بھر میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئی تھیں۔ مریم کی شادی اگلے ماہ ٹھہری تھی۔ اور شاداب کے لیے وقت گویا رک سا گیا تھا۔ مگر وقت رکتا کہاں ہے؟ ان ہی سرگرمیوں میں سردی کا موسم شروع ہوا۔ درختوں کے پتے جھڑنے لگے اور خزاں کی چادر پوری کائنات پر تن گئی۔

اور اسی خزاں زدہ موسم میں رباب کا دامن پھولوں سے بھر گیا۔ اک ننھا منا وجود اسے ماں کے عہدے پر فائز کر گیا۔ گھر کے سوئے جاگے لوگوں میں ہلچل سی مچ گئی۔

خاندان کا پہلا بچہ تھا۔ سب نے جی بھر کے خوشی منائی۔ زیبر کو بھی فوراً ہی اطلاع کروا دی تھی۔

****

"میرا دل چاہتا ہے میں اس شام کو بہت قریب سے دیکھو بہت پاس سے چھو کر محسوس کروں۔"

کیسی انہونی خواہش ابھرتی تھی اس کے اندر، زیبر نے ایک بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔

زرد شام در و دیوار سے لپٹی تھی۔ آنگن میں لگی بیل کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ تھا۔ یہ اس کا خیال تھا، مگر پھپھو ہر روز اس کو پانی بھی دیتیں اور کیاری میں بکھرے خشک پتے بھی اکھٹے کرتی تھیں۔

وہ کل ہی آئے تھے ماں نہال ہو گئیں۔ کھانا، پانی، آرام کا خیال رکھا۔ مگر زیبر نے دیکھا اور کمزور ہو گئیں

تھیں۔آرام کی عادت جو پڑ گئی تھی۔

کبھی کبھی زیر لب بڑبڑاتیں۔

"خوامخواہ میری عادت خراب کر گئی۔"

زیبر کو گھر بہت سونا سونا لگا تھا۔وہ نہیں تھی مگر اب تنہا صحن میں لیٹے تھے تو لگتا تھا وہ یہیں کہیں پاس ہی ہے۔ آہٹیں۔۔۔ سرگوشیاں،اس کے ملبوس کی مانوس خوشبو،اس کے ہاتھوں کا لمس، کبھی اس کمرے سے جھانکتی، شرارت سے مسکراتی اور اس کی مسکراہٹ، مدہم خوبصورت۔

تین ماہ ہو گئے اسے دیکھے ہوئے۔

وہ مضطرب ہو کر اٹھ بیٹھے۔

سرسراہٹیں، سرگوشیاں،اس کی قدموں کی چاپ،سب خاموشی اوڑھ کر سو گئے۔وہ کمرے کے سامنے آ گئے۔دروازے پر ہاتھ رکھا تو اندر چوڑیاں چھنک اٹھیں جیسے وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی بال بنا رہی ہو۔ دروازہ کھلا تو چوڑیوں کی چھنک الماری کے نجانے کون سے کونے میں جا چھپی۔وہ مسکرا دیے۔

شاید اپنے الوژن پر،بیڈ پر بیٹھ کر سوچ لیا تھا کہ واپسی پر لاہور کا چکر لگانا ہے۔

پھر گردن گھما کر الماری میں ترتیب سے رکھی کتابوں کا جائزہ لینے لگے۔اور اسی جائزے میں نگاہوں کی گرفت میں وہ سرخ جلد والی ڈائری بھی آ گئی۔انہوں نے ڈائری نکال لی۔روزانہ تو نہیں مگر ڈائری لکھی ہوئی تھی۔

رباب ڈائری بھی لکھتی تھی۔

شاید جلدی میں وہ لے جانا بھول گئی تھی۔انہوں نے صفحے پلٹے اور یونہی وقت گزاری کے لیے پڑھتے چلے گئے۔نجانے کتنا وقت گزرا جب چچی فاطمہ کی آواز پورے گھر میں گونجنے لگی۔

"بہن تسنیم۔۔۔مبارکاں۔۔۔مبارکاں۔۔۔خیر سے تمہارے ہاں پوترا(پوتا)ہوا ہے۔"

****

ڈھیر سارے کپڑے کھلونے اور رباب کے لیے لاکٹ سیٹ لے کر وہ اور پھپھو پہنچے تھے پھپھو خود بے حد خوش تھیں۔رباب کو پیار کیا۔بچے کو بہت دیر تک گود میں لیے بیٹھی رہیں۔سائرہ حسب معمول کچن میں جا گھسیں۔اہتمام جو کرنا تھا۔لڑکیاں چیزیں دیکھنے لگیں۔

"ہر چیز بہت خوبصورت اور قیمتی ہے۔لگتا ہے اس بار پھپھو نے نہیں خریدیں۔"شابی نے سرگوشی کی تھی۔

"جی!اس بار چوائس میری ہے۔"عقب سے زیبر نے کہا وہ بری طرح شرمندہ ہو گئی۔

"کیا ضرورت تھی اتنا اونچا تبصرہ کرنے کی۔"مریم لتاڑ رہی تھی۔

زیبر رباب سے اکیلے میں ملنا چاہتے تھے۔موقع شام کو ملا،کمرے میں آئے تو وہ اکیلی تھی ننھا شہزادہ سو رہا تھا۔ زیبر نے اسے گود میں لے لیا۔

وہ بازو آنکھوں پر رکھے چپ چاپ لیٹی تھی۔مگر محسوس کر سکتی تھی۔وہ نہ صرف اپنے بیٹے کو پیار کر رہے تھے بلکہ کن اکھیوں سے اس کی جانب بھی دیکھ رہے تھے۔خاموشی کا وقفہ طویل ہونے لگا تو اس نے پکار لیا۔

"رباب۔۔۔"

"ہوں۔۔۔"

"خفا ہو۔۔۔"

"نہیں تو۔۔۔"

زیبر نے بازو اس کی آنکھوں سے ہٹایا۔

"میرے ساتھ چلو گی۔"

"جانا تو پڑے گا۔۔۔"

"اتنی ہمت تو آ ہی گئی ہو گی کہ میری ماں کے مزید ستم سہہ سکو۔" شاید طنز کیا تھا۔ "خوب شکایتیں لگائی ہیں گھر والوں سے میری۔ کئی گھنٹوں سے گھیر کر بیٹھی ہیں جیسے میں کوئی مجرم ہوں۔"

"دکھ اپنوں سے ہی کہے جاتے ہیں۔" وہ تکیے کے سہارے ذرا سا اٹھی اور بچہ لینے کو ہاتھ پھیلا دیئے۔

"میں بھی تو تمہارا اپنا ہوں۔" انہوں نے بچہ گود میں دے دیا۔ اک بھرپور نگاہ اس پر ڈالی۔

"اپنے مداوا بھی کرتے ہیں۔" ننھا سا بیٹا گود میں تھا۔ وہ خود کو خاصا مضبوط تصوّر کر رہی تھی۔

"وہی تو کرنے آیا ہوں۔"

"مطلب۔۔۔؟" تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔

"مطلب اب اتنا رو دھو کر آئی تھیں تو کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔"

"ڈرامہ نہیں کر رہی تھی۔" وہ چڑ گئی۔

"کیا پتا۔۔۔" کیا بے نیازی تھی۔ "ڈرامہ کون کر رہا

ہے۔"

"آپ۔۔۔"

"آپ۔۔۔"

اس نے ہاتھ اٹھا کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ بچے کا منا سا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"نام کیا رکھو گی اس کا۔"

"پتا نہیں۔۔۔" وہ الجھ سی گئی تھی۔

"اسامہ کیسا ہے؟"

"اچھا ہے۔۔۔ مگر ابھی کیا کہہ رہے تھے۔"

"کس بارے میں؟" وہ کروٹ کے بل لیٹے بچے کے پاؤں چھو رہے تھے۔ بے حد مگن، جیسے کوئی بات ہی نہیں کی۔

"آپ کے ساتھ جانے کے بارے میں۔"

زیبر نے سر اٹھا کر اس کے جھجکتے چہرے کو دیکھا۔ اور مسکرا دیے۔

"بہت اچھی لگ رہی ہو۔"

"زمین میں نے ٹھیکے پر دے دی ہے۔ چچا سلیم گھر کی دیکھ بھال کر لیں گے۔ آپ دونوں میرے ساتھ جاؤ گی۔ میں تمہارے ساتھ ہوں گا تو کچھ مسئلے خود بخود حل ہو جائیں گے۔ کچھ تم اپنی ذہانت اور محبت سے حل کر لینا اور کچھ۔۔۔۔" وہ سوچ میں ڈوب گئے۔

"کچھ برداشت بھی کیے جا سکتے ہیں۔" رباب آہستگی سے گویا ہوئی۔

"ہاں۔۔۔" زبیر ہنس دیے۔

"لیکن پھپھو مان کیسے گئیں۔"

"وہ میری ماں ہیں رباب۔۔۔ اور ماں اپنے بچوں کی بات کبھی نہیں ٹال سکتی۔ اور یہ صاحب سوئے ہی رہیں گے یا جاگیں گے بھی۔" انہوں نے جھک کر بیٹے کو پیار کیا۔

"لگتا ہے باپ پر گیا ہے، ذرا دیر سے ہی جاگے گا۔"

رباب نے سادگی سے کہتے ہوئے بچے کو اس کے پاس لٹایا تھا۔

"ہاں۔۔۔" وہ پہلے بچے پر جھکے پھر ایکدم سیدھے ہوئے۔ "کیا کہا تم نے۔۔۔"

"کچھ نہیں۔۔۔ کچھ نہیں۔۔۔" وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنستی چلی گئی۔

********** *

دونوں ماں بیٹا شاپنگ کے لیے نکلے تھے۔ نائلہ خالہ نے آج لڑکیوں کو لفٹ بھی نہیں کروائی تھی۔ وہ دل ہی دل میں خفا ہوئیں پھر سوچا شاید کچھ ذاتی چیزیں خریدنی ہوں۔ بہر حال دونوں واپس آئے تو خاصے لدھے پھندے تھے اور بہت خوش بھی۔

"اب بولا بیٹا! ماں کی رہنمائی کام آئی۔"

"مت بھولیں، فیصلہ میرا اپنا ہے۔" زریاب نے گاڑی لاک کرتے ہوئے ماں کو دیکھا جو آج بہت خوش تھیں۔ دونوں اندر آئے تو سب لاؤنج میں ہی موجود تھے۔

پھپھو نے بھی ابھی آ کر پانی کا گلاس ہی پیا تھا، وہ پورے خاندان کے دورے پر صبح سے ہی نکلی تھیں۔ وہیں کچھ سن گن ملی تھی۔ آتے ہی نجمہ سے بولیں۔

"شاداب کی منگنی ٹوٹ گئی ہے۔"

نجمہ چپ کی چپ رہ گئیں۔ شاداب اپنی جگہ چور سی بن گئی۔ زبیر عظیم، جنید سب وہیں تو موجود تھے، کچھ حیران ہو کر دیکھنے لگے۔

"آپا! آپ پانی پیجئے۔" سائرہ نے ان کے ہاتھ میں پانی کا دوسرا گلاس تھمایا۔

"شاداب کی منگی تو ابھی ہوئی نہیں اور آپ تڑوانے پر تیار ہو گئیں پھپھو۔" جنید نے ہنس کر کہا تھا۔

"شاداب کی منگنی بچپن ہی میں زریاب سے ہو گئی تھی اتنی بھی خبر نہیں۔"

"کیا۔۔۔" سب ہی لاعلم لوگ چیخ اٹھے تھے اور سب کی نظریں نجمہ پر جمی تھیں۔

وہ گڑبڑا سی گئی تھیں۔ تب ہی گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ انہوں نے مدد طلب نگاہوں سے سائرہ کو دیکھا۔ مگر انہوں نے سوچا۔

"آر یا پار، آج فیصلہ ہو ہی جائے۔"

شابی نے سوچا اسے یہاں سے اٹھ جانا چاہیئے۔ تب ہی دونوں ماں بیٹا ہنستے مسکراتے اندر آئے۔

"توبہ تھکا ڈالا زریاب نے، کوئی چیز اسے پسند نہیں آتی۔" نائلہ خالہ صوفے پر گر سی گئیں۔

"کیوں بیٹے کی بری خریدنے چلی گئی تھیں۔" پھپھو نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"یہی سمجھ لیں۔" وہ ہنسیں۔ زریاب ان کے کندھے پر دونوں ہاتھ رکھے مسکرا رہا تھا۔

"انسان کی زبان بھی کوئی چیز ہوتی ہے بی بی۔" پھپھو تڑخ کر بولیں۔ "ہماری لڑکی میں برائی کیا تھی؟"

"خدانخواستہ کس کی بات کر رہی ہیں؟"

شابی تیر کی طرح اٹھی، وہ فوراً" یہاں سے جانا چاہتی تھی مگر نائلہ خالہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کھینچ کر اپنے پاس بٹھالیا۔ لفافے سے ایک ڈبہ نکال کر کھولا۔

"کیسا ہے؟" ڈائمنڈ سیٹ جگمگا رہا تھا۔

"نائلہ! پہلے مجھ سے بات کرو۔" پھپھو کو تاؤ آیا۔ "میرے مرحوم بھائی کی نشانی ہے یہ، کوئی زیادتی ہو گی تو میں برداشت نہیں کروں گی۔"

رباب نے تحیّر سے انہیں دیکھا۔ یہ اس کی ساس کے کلمات تھے۔

"تم نے خود دامن پھیلا کر شابی کا رشتہ مانگا تھا۔ اب کیسے توڑ سکتی ہو اور یہ رومیہ کا کیا قصہ ہے؟"

"ارے آپ سے یہ سب کس نے کہہ دیا۔" کیا سادگی تھی۔

"سارا خاندان کہہ رہا ہے۔ خود رومیہ کہہ رہی ہے زریاب نے اسے پروپوز کیا ہے۔" سائرہ نے آہستگی سے بتایا۔ اڑتی پڑتی ان تک بھی پہنچی تھی۔

"دیکھا تم نے۔۔۔" انہوں نے پلٹ کر زریاب کو گھورا۔ "میں نے کہا تھا یہ پاکستان ہے یہاں ایسی دوستیوں کو عجیب رنگ دیا جا سکتا ہے۔ اور آپ لوگ۔۔۔" وہ سب کی طرف پلٹیں۔ "اگر کسی کی یاداشت کمزور ہے تو میں پھر سے یہ انگوٹھی شابی کی انگلی میں پہنا کر اعلان کرتی ہوں کہ شابی میری بہو ہے۔"

انہوں نے سیٹ میں سے انگوٹھی نکال کر شابی کا ہاتھ پکڑا۔ اس نے ہاتھ کھینچ لیا اور ان کے کان میں ممنائی۔

"یہ انگوٹھی بھی اسے پہنا دیں جسے پہلے ڈائمنڈ رنگ دی تھی۔"

"کسے دی تھی؟"

"رومیہ کو، اس نے مجھے خود بتایا تھا۔"

(ہائے دل جال کر راکھ ہو گیا تھا اس وقت)

نائلہ خالہ نے پلٹ کر بیٹے کو دیکھا۔

"بائے گاڈ۔۔۔ میں نے اسے صرف ایک پرفیوم گفٹ کیا تھا، نجانے اس نے یہ جھوٹ کیوں بولا۔"

اس نے فوراً وضاحت کی۔ رومیہ کی ان ہی حرکتوں نے اسے پلٹنے پر مجبور کیا تھا۔ نائلہ خالہ نے اب کے ذرا بھی توقف کیے بغیر انگوٹھی شابی کی انگلی میں ڈالی دی۔ ایک بہت ہی سنگین صورتحال سے باہر نکلنے کے خیال نے انہیں ہلکا پھلکا کر دیا تھا۔ زریاب، رومیہ کی طرف مائل ہوا تھا مگر خدا کا شکر تھا اس نے بروقت ایک درست فیصلہ کر لیا تھا۔

نائلہ خالہ نے جب زریاب سے پوچھا تھا۔

"تمہیں رومیہ کی کس خوبی نے متاثر کیا تھا۔"

"اس کی بولڈنیس نے۔"

"تمہیں واپس کس چیز نے پلٹنے پر مجبور کیا۔"

"مما! اعتماد اور بے باکی میں فرق ہوتا ہے۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

وہ خوش تھیں ان کے بیٹے نے ایک اچھا فیصلہ کیا ورنہ انہیں دوسرے رشتوں سے ہاتھ دھونا پڑتے۔

ختم شد